افریقہ کا شیر

Rashid Ashraf

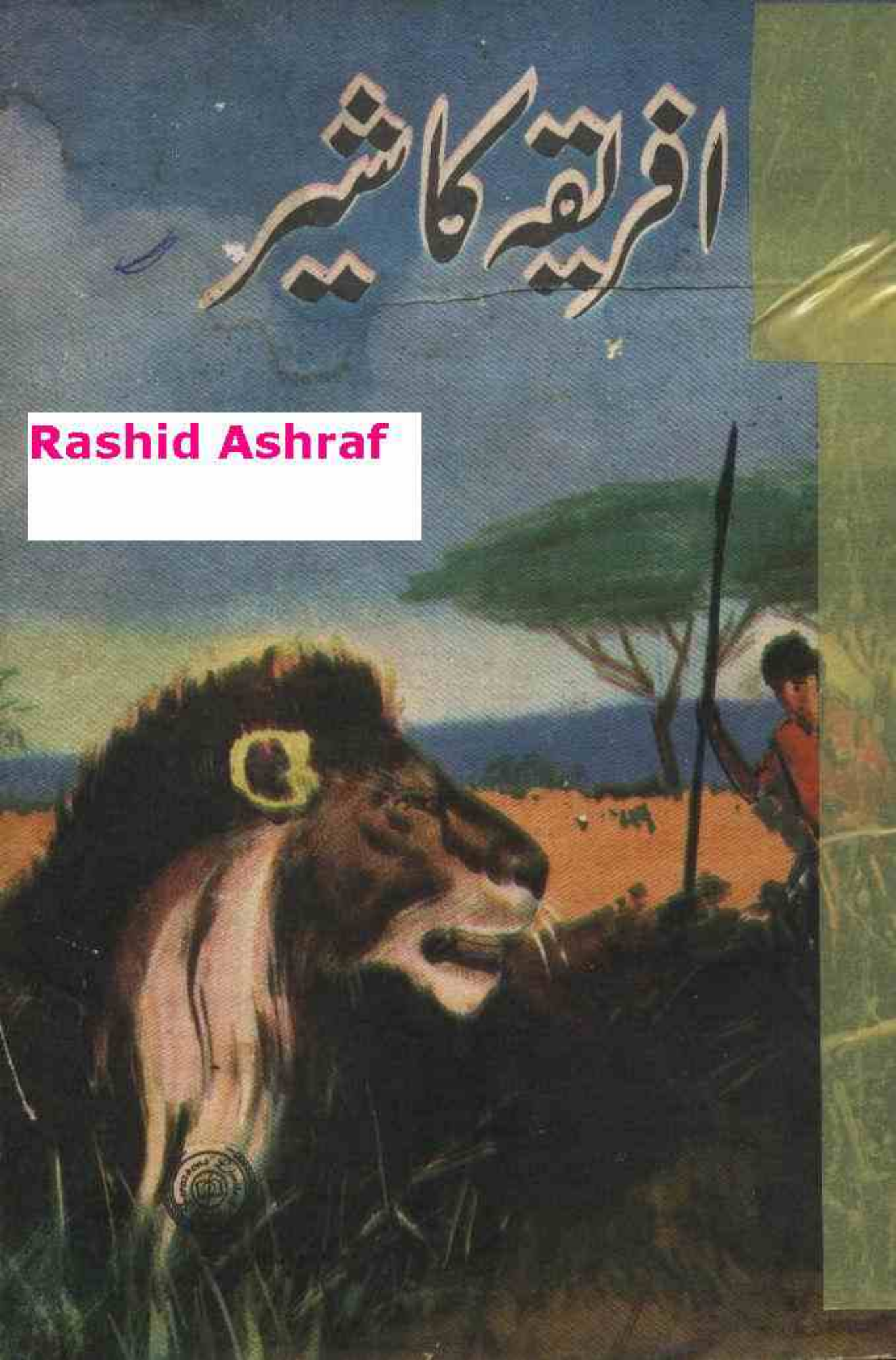

افریقہ کا شیر

بچّوں کے لیے ناول

زُبیدہ سُلطانہ

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی کراچی

کراچی بکڈپو
فون نمبر 216558
۴۸ اردو بازار کراچی

Rashid Ashraf
zest70pk@gmail.com
www.wadi-e-urdu.com

Rashid Ashraf-zest70pk@gmail.com

دوسری بار ... 1976
تعداد ... 2000
قیمت ... 4-00

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور باہتمام عبدالسلام خاں پرنٹر و پبلشر

شکاری قافلہ

ٹوکی نے گھنے پیڑ کے تنے سے لپٹے لپٹے جھانک کر دیکھا۔ جنگل کے جھاڑ جھنکار میں سے راستہ بناتا ایک بہت بڑا ہپّوپوٹیمس (دریائی بھینسا) جھومتا جھامتا چلا جا رہا تھا۔ قریب ہی وہ میدان تھا جہاں چند گھنٹے پہلے انگریز شکاری مسٹر پائک کے شکاری قافلے کے خیمے لگے تھے۔ دوپہر کی تیز دھوپ میں ان کی سبز چھت اور ٹرک پر لدا ہوا سامان چمک رہا تھا۔ قریب ہی ایک جیپ اور شکاری کار دکھائی دے رہی تھی۔

ٹوکی نے غور سے اس منظر کو دیکھا اور سوچنے لگا کہ کیا اس کا سوچا ہوا منصوبہ کام یاب ہو سکے گا؟ لیکن اس کے منصوبے کو ہر حالت میں کام یاب ہونا چاہیے اس نے پکّے ارادے سے سر اُوپر اٹھاتے ہوئے سوچا افریقہ کے شکاری لڑکے کام میں لگے ہوئے ادھر

اُدھر بھاگ دوڑ رہے تھے اور ساتھ ہی ہنستے بولتے جاتے تھے۔ ٹوکی نے درخت کے پیچھے چھپے چھپے اُنھیں گننا شروع کیا۔ پہلے تو اُس نے چھ لڑکے گنے۔ پھر دو اور آ گئے اس طرح کُل آٹھ لڑکے تھے جو بڑی تیزی سے برتن وغیرہ لکڑی کی پیٹیوں میں بھرنے اور خیموں کے اندر سے مختلف چیزیں نکالنے باندھنے اور ٹرک پر لادنے میں مصروف تھے۔ اُن کے ننگے اور کالے کالے جسم پسینے سے تر تھے اور دُھوپ میں چمک رہے تھے۔

"عبدُل!" کسی نے بھاری آواز میں خفگی سے پُکارا اور ایک خیمے کے اندر سے ایک بھاری بھرکم اور لمبا تڑنگا آدمی باہر نکلا۔

"عبدُل" کیا تم اِن چھوکروں کو جلدی کام ختم کرنے کی ہدایت نہیں کر سکتے؟ یہ وقت آ گیا اور اِتنا لمبا سفر ہے۔"

اس نے مارے غصّے کے غُرّاتی ہُوئی سی آواز میں کہا اور اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اتنے میں ایک اور آدمی خیمے سے نکل کر شکاری کار میں جا بیٹھا اور اس کے ساتھ ہی وہ بھی بیٹھ گیا۔ آن کی آن میں شکاری گاڑی گرد کے مرغولے اُڑاتی نظروں سے غائب ہو گئی۔

ٹوکی اچھی طرح جانتا تھا کہ باقی قافلہ بھی جلد ہی روانہ ہو جائیگا کیونکہ جب تک وہ کار کو نیلی پہاڑیوں میں اوجھل ہوتے دیکھتا رہا تھا لڑکوں نے بڑے خیمے کو بھی گرا دیا تھا اور اب وہ ایک بڑے سے ڈھیر کی شکل میں زمین پر پڑا تھا۔ لڑکے خیموں کی چوبیں اکٹھی کر رہے تھے۔ پھر اُنھوں نے کھونٹیوں کو اُکھیڑا، خیموں کو لپیٹا اور ہاتھوں ہاتھ سارا سامان ٹرک پر لاد دیا۔

ٹوکی نے اپنے پیچھے ہاتھ سے ٹٹول کر ٹاٹ کے تھیلے کو کھینچ لیا جس میں اُس کے دو چار کپڑے، ایک کمبل اور کھانے کی کچھ چیزیں تھیں۔ وہ اپنی انگریزی کی کتاب بھی ساتھ لیتا آیا تھا کہ اتنے دن پڑھائی کا ناغہ ہو گا تو کچھ کمی پُوری ہوتی رہیگی اور کچھ نہیں تو وہ مُشکل لفظوں کے ہجے ہی یاد کرتا رہیگا۔

وہ گھنے درختوں کی اوٹ میں جُھک کر، چیتے کی طرح دبے پاؤں چلتا ہُوا سڑک کی طرف بڑھا۔ اصل راستے سے ہٹ کر اس نے لمبا چکر کاٹا تاکہ کوئی اُسے دیکھ نہ لے اور چُھپتا چھپاتا ٹرک کے قریب پہنچ گیا۔ بڑی کوشش کے بعد اس نے رسی کا ایک بند ڈھیلا کیا اور جگہ بنا کر ایک بنڈل کے نیچے گھُس گیا۔ خاصی کھُلی جگہ تھی۔ وہ

Rashid Ashraf-zest70pk@gmail.com

بڑی آسانی سے لیٹ سکتا تھا۔ جب خیمے بھی اُوپر لاد دیے گئے تو سُوراخ بند ہو گیا اور اندھیرا ہو گیا۔ وہ چُپکے سے دم سادھ کر لیٹ رہا۔ خیموں کے کینوس کی بُو کے ساتھ ملی جُلی کیلوں کی خوش بُو جو ٹوکی کے ناک میں پہنچی تو اُسے خبر نہیں کیوں ہنسی آ گئی۔ سفر پر جانے کی خوشی میں اُس وقت اُسے یہ خیال ہی نہیں آیا کہ کسی نے اُسے یُوں چھپے ہوئے دیکھ لیا تو اُس کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کیا جائے۔

آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

"ارے ہاں" آج رات ہم لوگ درندوں کی سرزمین میں خیمے لگائیں گے اور انھیں دُور رکھنے کے لیے بڑے بڑے الاؤ جلائیں گے" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں، آگ تو ایسے علاقے میں ضرور جلانی چاہیے ورنہ جنگلی جانور کب چین لینے دیں۔ آگ سے تو شیر بھی ڈرتا ہے" دُوسرا کہنے لگا۔

"لیکن سنتے ہیں کہ سمبا کسی سے نہیں ڈرتا" پہلے آدمی نے کہا اور ہنسنے لگا جیسے مذاق اُڑا رہا ہو۔

سمبا جسکی ایال میں چاندی کے لچھوں جیسی روپہلی لٹیں ہیں واقعی بڑا نڈر شیر ہے۔ کہتے ہیں وہ انسان سے نہیں ڈرتا" دوسرے نے جواب دیا۔

"واہ بھئی" تم بھی عجب آدمی ہو۔ کیا تمھیں ایسی فضول کہانیوں پر یقین ہے۔ اور تم سچ مچ سمجھتے ہو کہ کوئی سفید بالوں والا شیر بھی ہوتا ہے؟" پہلے نے پُوچھا۔

"پہلے میں بھی نہیں مانتا تھا۔ لیکن جنھوں نے دیکھا ہے وہ قسم کھاتے ہیں" دُوسرے نے جواب دیا۔

"چلو دیکھ لیں گے۔ مسٹر پائک نے اسے ڈھونڈھ نکالنے کا پکا اِرادہ کر لیا ہے۔ اگر وہ اس علاقے میں موجود ہوگا تو ایسے شکاری سے بچ کر کہاں جائیگا" یہی باتیں کرتے کرتے وہ سڑک میں بیٹھ گئے۔ باقی لڑکے بھی شور مچاتے اور ہنستے ہوئے سوار ہو گئے۔ انجن سٹارٹ ہُوا اور ٹرک اونچی نیچی زمین پر ہچکولے کھاتا حرکت کرنے لگا بوری میں ڈھیلے بندھے ہُوئے برتنوں نے ٹوکی کے کان کے قریب ہی ٹن ٹن بجنا شروع کیا مگر ٹوکی کو یہ آواز بھی بُری معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ اُس کی مُدّت کی تمنّا پُوری ہُوئی تھی۔ وہ سفر پر

جا رہا تھا۔

کئی گھنٹے گزر گئے۔ دوپہر سے پچھلا پہر ہُوا۔ دن ڈھل گیا۔ مگر وہ اب بھی آگے ہی آگے چلے جا رہے تھے۔ افریقی شکاری لڑکے سامان کے اُوپر چڑھے بیٹھے تھے اور لگاتار باتیں کر رہے تھے۔ کبھی تو وہ کسی بات پر اِس قدر زور زور سے قہقہے لگاتے کہ بے چارہ ٹوکی چونک پڑتا۔ اُس نے بہت کوشش کی کہ سو جائے مگر لگاتار بولنے کی آوازوں نے اُسے ایک پل بھی سونے نہ دیا اور وہ اس مُہم کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُن دونوں آدمیوں کی آوازیں برابر اُس کے ذہن میں گونج رہی تھیں جو سب سے پہلے ٹرک پر سوار ہُوئے تھے اور سمبا کے مُتعلق باتیں کرتے رہے تھے۔ ٹوکی نے بھی اس خوفناک شیر کے متعلق بہت کچھ سُن رکھا تھا جس کی ایال میں روپہلی تار چمکتے تھے اور یہ چالاک اور مکّار جانور شکاریوں کو جُل دے کر کبھی کسی جنگل میں جا نکلتا کبھی کسی میں۔ ٹوکی کا باپ اکثر اس کے مُتعلق بہت سے واقعات سُنایا کرتا تھا اور اس کے سُنائے ہوئے قصّے غلط نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ وہ ٹانگا نیکا کے محکمۂ شکاریات کا بڑا اِعتباری سکاؤٹ تھا۔ سالہا

سال اُس نے افریقہ کے ان گھنے جنگلوں کو اپنے قدموں سے ناپا تھا۔ ہاتھیوں اور جنگلی بھینسوں کی بڑھتی ہُوئی آبادی کے مُتعلق محکمے کو رپورٹ دی تھی، اور ہمیشہ اِس بات کی نگرانی کرتا تھا کہ مُلکی یا غیر ملکی شکاری محکمے کے قانون اور اُصول کی خلاف ورزی نہ کرنے پائیں۔ وہ شکار کی چھوٹی چھوٹی مہموں پر ٹوکی کو بھی ساتھ لے جاتا اور ٹوکی ان میں پوری دل چسپی لیا کرتا وہ دن بھر باپ کے ساتھ دوڑ بھاگ میں حصّہ لیتا اور رات کے وقت کیمپ کے باہر الاؤ کے گرد بیٹھ کر شکاریوں کی جوشیلی باتیں اور اُن کے داؤ گھات کے قصّے سُنا کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے اِتنی چھوٹی عُمر ہی میں جنگلی ہرن کے کھُر کا نشان پہچاننے اور چیتے کی غُراہٹ کو شناخت کرنے میں مہارت پیدا کر لی تھی۔

جب ٹوکی کا باپ مر گیا تو اُس کی ماں اپنے بچّوں کو لے کر کسانوں کی ایک بستی میں چلی آئی تاکہ اُس کے بچّے پُرسکون ماحول میں پرورش پائیں اور تعلیم حاصل کر سکیں۔ اس بستی کا نام مٹوامبن تھا اور وہاں ایک اچھا سکول بھی موجود تھا۔ ٹوکی پڑھنے لکھنے میں بہت دلچسپی لیتا تھا مگر اُس کے ذہن سے اُن جنگلوں کا خیال

کوئی نہ مٹا سکا جہاں وہ باپ کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ و
جب بھی اکیلا بیٹھتا، دل میں سوچتا کہ کبھی نہ کبھی تو و
ضرور پھر اُن گھنے جنگلوں کی طرف جائیگا جن میں اُس
کا باپ شکاری سکاؤٹ کی حیثیت سے پھرا کرتا تھ
نہ صرف اُن جنگلوں میں بلکہ اُن کے اُس پار سیرن گیتی
کے سرسبز میدانوں میں بھی اُس کا تصوّر اُسے لیے
پھرتا تھا۔

بستروں اور خیموں کے بڑے بڑے پُلندوں کے
درمیان کسی روزن میں سے سُورج کی کوئی کرن ٹوکی
کی اندھیری پناہ گاہ کو روشن کرتی تو اس میں سینکڑوں
سُرخ سُرخ ذرّے ناچتے ہُوئے دکھائی دیتے۔ ان
چھوٹے چھوٹے روزنوں میں سے گرد چھن چھن کر اس
کی ناک میں گھُستی تو اُسے چھینک آنے لگتی جسے وہ بڑی
مشکل سے روکتا۔ باہر کی کھُلی فضا میں سانس لینے اور
جنگل کے دلکش مناظر دیکھنے کی خواہش بار بار اُس کے
دل کو اُکساتی مگر وہ چُپ چاپ پڑا رہنے پر مجبور
تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کی موجودگی کا پتا ملتے ہی
اُسے فوراً ٹرک سے اُتار دیا جائیگا۔ مارے پیاس
کے اُس کی زبان سُوکھ کر لکڑی ہو رہی تھی اور اُسے

رہ رہ کر وہ ٹھنڈے پانی کی ندی یاد آرہی تھی جو اس
کے گھر کے پاس جنگل میں بہتی تھی اس وقت بھی اُس
کی ماں اور بہنیں ٹھنڈے میٹھے پانی کے گھڑے بھر بھر
کر لا رہی ہوں گی۔ یہ سوچ کر اُس کے دل میں عجب طرح
کی بے چینی پیدا ہو گئی۔ اُسے خیال آیا کہ جب رات
گئے تک وہ گھر نہیں پہنچے گا تو اُس کی ماں اور بہن
بھائی کتنے پریشان ہوں گے۔ پھر اُس وقت اُس کا
چھوٹا بھائی ماں کو بتائے گا کہ ٹوکی نے کیا کیا ہے
تو ماں کو کتنا دُکھ ہو گا۔ ٹوکی نے بھائی سے پکّا وعدہ
لے لیا تھا کہ رات سے پہلے کسی کو کچھ نہ بتائے۔

ایک دم وہ اپنے خیالوں سے چونکا کیونکہ بریک
لگنے کی آواز آئی تھی اور زور سے دھکّا لگ کر ٹرک
رُک گیا تھا۔ ساتھ ہی سُرخ ڈھول کا ایک بڑا سا
مرغُولہ ٹرک میں داخل ہُوا۔ جُونہی ٹرک کا انجن بند
ہُوا سامان کے نیچے سے چھینکنے کی آواز آئی۔ بیچارا
ٹوکی بڑی کوشش پر بھی چھینک نہیں روک سکا تھا۔
سب حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

" ارے! یہ کیسی آواز تھی؟" ٹوکی کے کان میں
آواز آئی۔ وہ اور بھی سُکڑ کر نیچے دبک گیا۔ مگر

اگلے ہی لمحے کسی نے خیمے کا کینوس ہٹایا۔ رسّیوں کو ٹٹولتی ہُوئی اُنگلیاں ٹوکی کو دکھائی دے رہی تھیں اور وہ سُورج کی تیز روشنی میں چُندھیائی ہُوئی آنکھوں کو جھپک رہا تھا کہ ایک چہرے نے اس سُوراخ کو روک لیا۔ کوئی اُسے تیز تیز نظروں سے گھُور رہا تھا۔

"ارے ـــــ!" اُس نے مارے حیرت کے صِرف اِتنا ہی کہا اور بڑے غور سے ٹوکی کی طرف دیکھنے لگا۔

اب بے چارہ لڑکا سوائے اِس کے کر ہی کیا سکتا تھا کہ چُپکے سے نیچے اُتر آئے۔ مگر گھنٹوں ایک ہی رخنے میں سُکڑ کر بیٹھے رہنے سے اُس کا جسم اکڑ گیا تھا۔ ایک ٹانگ تو بالکل سوگئی تھی اور اُسے ہِلانا آسان نہ تھا، لیکن اِس پر بھی وہ ضبط کرکے کسی نہ کسی طرح نیچے اُتر ہی گیا۔ سارے شِکاری لڑکے اُس کے گِرد جمع ہو گئے۔

"کون ہو تم ـــ؟" ایک بھُوری رنگت والے لڑکے نے، جس کی میلی کچیلی ہیٹ میں شُتر مُرغ کا لمبا سا پر لگا تھا، ٹوکی کو ڈانٹتے ہُوئے پوچھا

ٹوکی چُپ تھا۔

"کیا کر رہے تھے ٹرک میں گھُسے ہُوئے؟" اُسی لڑکے نے لال پیلی آنکھیں دکھاتے ہُوئے پھر پُوچھا۔

ٹوکی خوف کے مارے پیچھے ہٹا اور ٹرک کے ساتھ سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ..... میں ٹوکی ہوں" اُس نے کہا اُس سے اپنی ہی آواز پہچانی نہ جاسکی۔ نہ وہ اِس سے زیادہ کچھ کہہ سکا۔ وہ اپنے اِرد گِرد غضب ناک آنکھوں کو دیکھکر سہم گیا تھا۔

"چاہے تم کوئی بھی ہو اُوپر ٹرک میں کیا کر رہے تھے؟" دُوسرے لڑکے نے پُوچھا۔

"ارے بھئی! وہ تو صاف ظاہر ہے سوائے چوری کے اور کیا کرنا تھا اِسے؟" اُسی لڑکے نے کہا جس کی ہیٹ میں شُتر مُرغ کے پر لگے تھے۔

"سچ بتاؤ کیا چُرانے کی ٹھانی تھی تم نے؟" اُس نے آگے بڑھ کر ٹوکی کی کلائی زور سے پکڑ کر مروڑتے ہُوئے کہا۔ لمبی لمبی اُنگلیاں شکنجے کی طرح ٹوکی کو اپنی کلائی کی ہڈّی تک اُترتی محسوس ہو رہی تھیں یہاں تک کہ تکلیف اُس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی

اُس نے چیخنے کے لیے مُنھ کھولا ہی تھا کہ ٹرک کی دُوسری طرف سے ایک بڑی عمر کا آدمی اِس طرف آیا۔ اُس کے مُنھ پر اس قدر جُھرّیاں تھیں کہ وہ انسان سے زیادہ بندر لگتا تھا۔

"چھوڑ دو اِسے ٹامس۔ کیوں تکلیف دیتے ہو غریب بچّے کو۔" اُس نے آگے بڑھ کر ٹامس کے پنجے سے ٹوکی کا ہاتھ چُھڑانے کی کوشش کی۔

"اِس قسم کے چور بچّوں کو سزا دیے بغیر نہیں چھوڑنا چاہیے۔" ٹامس کہنے لگا۔

"جی۔ میں چوری تو نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔ میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔۔ صِرف سفر کرنے کے لیے چُھپا بیٹھا تھا۔ میں کام کر سکتا ہوں۔۔۔۔۔ جو کچھ آپ کہیں گے بڑی محنت سے کروں گا آپ مجھے کچھ بھی تنخواہ نہ دیں۔ صِرف اپنے ساتھ سفر پر لے چلیں۔۔۔۔۔"

بندر کے چہرے والا بُوڑھا حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "مگر تم اِتنے چھوٹے سے تو ہو۔"

"جی کوئی بات نہیں۔۔۔ ویسے میں بہت

قت وَر ہوں۔"

"لیکن یہ بہت لمبا سفر ہوگا۔ اور شاید بہت خطرناک بھی۔"

"میں ڈرپوک نہیں ہُوں۔ آپ مجھے ساتھ لے چلیں۔ میں کسی چیز سے نہیں ڈروں گا۔"

"واہ رے سُورما۔" ایک لڑکے نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"جی۔ میں آپ کے بہت سے کام کر دیا کروں گا۔"

"تُمھارے جتنا چھوٹا سا پِلّا کیا کر سکتا ہے۔" دوسرے نے ہنس کر کہا۔

"جی۔ میں برتن صاف کروں گا بوٹ پالش کر دیا کروں گا۔۔۔۔۔ جو کام بھی آپ بتائیں گے کروں گا۔" یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اب بھی یہ واپس چلا جائے تو شام تک اپنے گاؤں پہنچ جائے گا کچھ اِتنا دُور نہیں۔ سیدھی سڑک جاتی ہے۔" ٹامس کہنے لگا۔ ٹوکی نے بے بسی سے بُوڑھے آدمی کی طرف دیکھا۔

"ہاں عبدُل ٹامس ٹھیک کہتا ہے۔ اگر ہم اِس بچّے کو ساتھ لے گئے تو مسٹر پائک اِسے دیکھ کر خفا

ہوگا اور مُفت میں ہم پر برسے گا۔" ایک اور آدمی بولا۔ عبدُل نے ہاتھ کے اِشارے سے سب کو چُپ کرایا۔

"عجیب بات کہتے ہو؟ اِتنا چھوٹا سا بچہ اِتنی دُور اکیلا کیسے جا سکتا ہے۔ میں اِسے واپس نہیں بھیج سکتا۔ اب یہ ہمارے ساتھ کیمپ تک جائے گا جب مسٹر پائک آئے گا تو فیصلہ کرے گا کہ اس چھوکرے کا کیا کیا جائے۔" بُوڑھے نے جس کا نام عبدُل تھا، کہا۔

عبدُل کے فیصلے کے خلاف کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ سب بڑبڑا کر چُپ ہو گئے۔

"تم تو اِس کی باتوں میں آ گئے۔ لیکن مسٹر پائک کے سامنے یہ اِس طرح پٹر پٹر زبان نہیں چلا سکے گا۔ ہے تو یہ بڑا چالاک چھوکرا مگر دیکھ لیں گے۔۔۔" ٹامس کہنے لگا۔

ایک ایک کر کے سب ٹرک کے اُوپر چڑھنے لگے۔ ٹوکی بھی پھُرتی سے چڑھ کر عبدُل کے قریب جا بیٹھا۔ ٹرک سڑک پر چڑھائی چڑھنے لگا۔ دونوں طرف ننگی چٹانیں تھیں جن پر کہیں کہیں کانٹے دار

جھاڑیاں اُگی تھیں۔ ان کے علاوہ سبزے کا کہیں نشان تک نہ تھا۔ ہاں دُور سبزے سے ڈھکے ہُوئے اُونچے اُونچے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ ہوا کے گرم جھونکوں میں ببُول کے پھُولوں کی باس رچی ہُوئی تھی۔ ٹوکی اپنے دل کو ہلکا پھُلکا محسُوس کر رہا تھا، جیسے ہوا میں فرّاٹے بھرتا ہُوا ہرن۔ دُھوپ ڈھلتے ڈھلتے وہ ان سُرخ چٹانوں سے آگ نکل گئے۔ منظر بدلنے لگا۔ ببُول کی جھاڑیوں کے بجائے اب ٹرک چائے کے سرسبز اور گھنے پودوں میں سے گزر رہا تھا اور اُوپر ہی اُوپر چڑھتا محسوس ہوتا تھا۔ چڑھائی بڑھتی جاتی تھی۔ گھنے جنگلوں سے ڈھکے ہُوئے پہاڑ دونوں طرف اُٹھتے ہُوئے آسمان سے باتیں کر رہے تھے آپس میں بندھے ہُوئے درختوں نے اُوپر چھت ڈال رکھی تھی۔ انگوروں کی بیلوں پر جھُولتے ہُوئے بندروں نے ٹرک کی آواز پر کلکاریاں مارنا شروع کر دیا۔ اتنا شور اُٹھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

"یہ نگورو نگورو ہے۔" عبدُل نے اعلان کیا۔

"اچھا تو ہم اس علاقے میں آ پہنچے ہیں۔" ٹوکی

نے کہا۔ اُس نے اِس خوفناک جنگل کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اِس کے اُس پار مشہُور میدانی علاقہ ہے۔

اب یہ لوگ ایک ایسی وادی میں پہنچے جو اُونچے اُونچے پہاڑوں میں ایک بہت بڑے پیالے کی شکل میں گھِری ہُوئی تھی۔ یہاں ہاتھی، گینڈے چیتے اور شیر کثرت سے ملتے تھے۔ ہرن اور زیبروں کے گلّے پانی اور چارے کی کمی سے میدانی علاقے کو چھوڑ کر اِن جنگلوں میں چلے آتے تھے۔

بھاری بوجھ تلے دبا ہُوا ٹرک اِس گھنے جنگل میں کسی خوفناک جانور کی طرح شور مچاتا چلا جا رہا تھا کہ ایک دم ایک طرف سے گھنی بیلوں اور ٹہنیوں کی دیوار کسی پردے کی طرح سامنے سے ہٹ گئی۔ ڈرائیور چلّا اُٹھا۔

سب کی نگاہیں اِس عجیب منظر کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں کہ ٹوکی کے مُنہ سے بے اِختیار چیخ نکل گئی۔ دو ہاتھی سامنے کھڑے تھے۔ ٹرک ایک دم روک لیا گیا۔ کیونکہ راستہ ہاتھیوں نے روک رکھا تھا۔

"چُپ چاپ بیٹھے رہو۔ کوئی خطرہ نہیں" ٹامس نے سرگوشی میں کہا۔

لڑکے دیو جیسے ہاتھیوں کی طرف ڈری ڈری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ٹوکی سمجھ گیا کہ چُپ چاپ بیٹھے رہنے سے ہاتھی اُن کی موجودگی سے بے خبر رہیں گے اور راستے سے گزر جائیں گے۔ سب کے سب دم سادھے بیٹھے تھے۔ مگر ہاتھی اپنی جگہ اڑے کھڑے رہے۔ وہ آپس میں سُونڈ اُلجھا کر چُہل کر رہے تھے۔ سارا راستہ اُنھوں نے روک رکھا تھا اور یہ مُمکن نہ تھا کہ وہ لوگ دائیں یا بائیں طرف سے کترا کر تیزی سے نکل جائیں۔ جب کافی دیر ہو گئی تو ٹوکی خوف محسوس کرنے لگا۔

آخر ایک ہاتھی نے جنگل کا رُخ کیا۔ اُس کے بڑے بڑے پیروں کے نیچے ٹہنیوں کے ٹوٹنے کی آواز آئی اور اُلجھی ہُوئی گھنی شاخوں نے اُسے یوں راستہ دے دیا جیسے جادُو کے اثر سے گُندھے ہُوئے اُلجھے آپ ہی آپ کھُل گئے ہوں۔ دُوسرا ہاتھی بھی جھومتا جھامتا پہلے ہاتھی کے پیچھے چلا گیا۔ شاخیں پھر یُوں گُتھ گئیں جیسے کبھی کھُلی ہی نہ تھیں۔

ٹوکی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر
ہاتھیوں کو ڈھونڈتا رہا مگر اُن کا کہیں نام نشان نہ
تھا۔

"اِس قسم کی سڑک پر ہاتھیوں کا سامنا کرنا مجھے
ذرا اچھا نہیں لگتا۔" عبدُل نے جھرجھری لیتے ہُوئے
کہا اور مُڑ کر ٹوکی کو دیکھا جو اپنے حواس پر قابُو پانے
کی پُوری کوشش کر رہا تھا۔

"تم ڈر گئے ننھے؟" وہ پُوچھنے لگا۔ سارے لڑکے
ٹوکی کی طرف دیکھنے لگے۔ بے چارہ ٹوکی جھینپ گیا۔
مگر ہوشیاری کے ساتھ بولا۔

"جی نہیں ـــــ میں ڈرا تو نہیں۔" مگر کیلا چھیلتے
ہُوئے، جو ابھی ابھی اُسے عبدُل نے دیا تھا، اُس
کی اُنگلیاں لرز رہی تھیں ـــ ٹامس نے دوسرے لڑکوں
کو اِشارے سے دکھاتے ہُوئے قہقہہ لگایا۔

ٹوکی سوچ رہا تھا کہ ہاتھیوں کو دیکھ کر
اگر اُس کے مُنھ سے چیخ نہ نکلی ہوتی تو کسی کو اُس
کے ڈرنے کا شبہ تک نہ ہوتا۔ وہ مارے شرم کے
سر جھکا کر بیٹھ گیا ـــــ "اب تو یہ لوگ مجھ سے اور بھی
نفرت کرنے لگیں گے" وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔

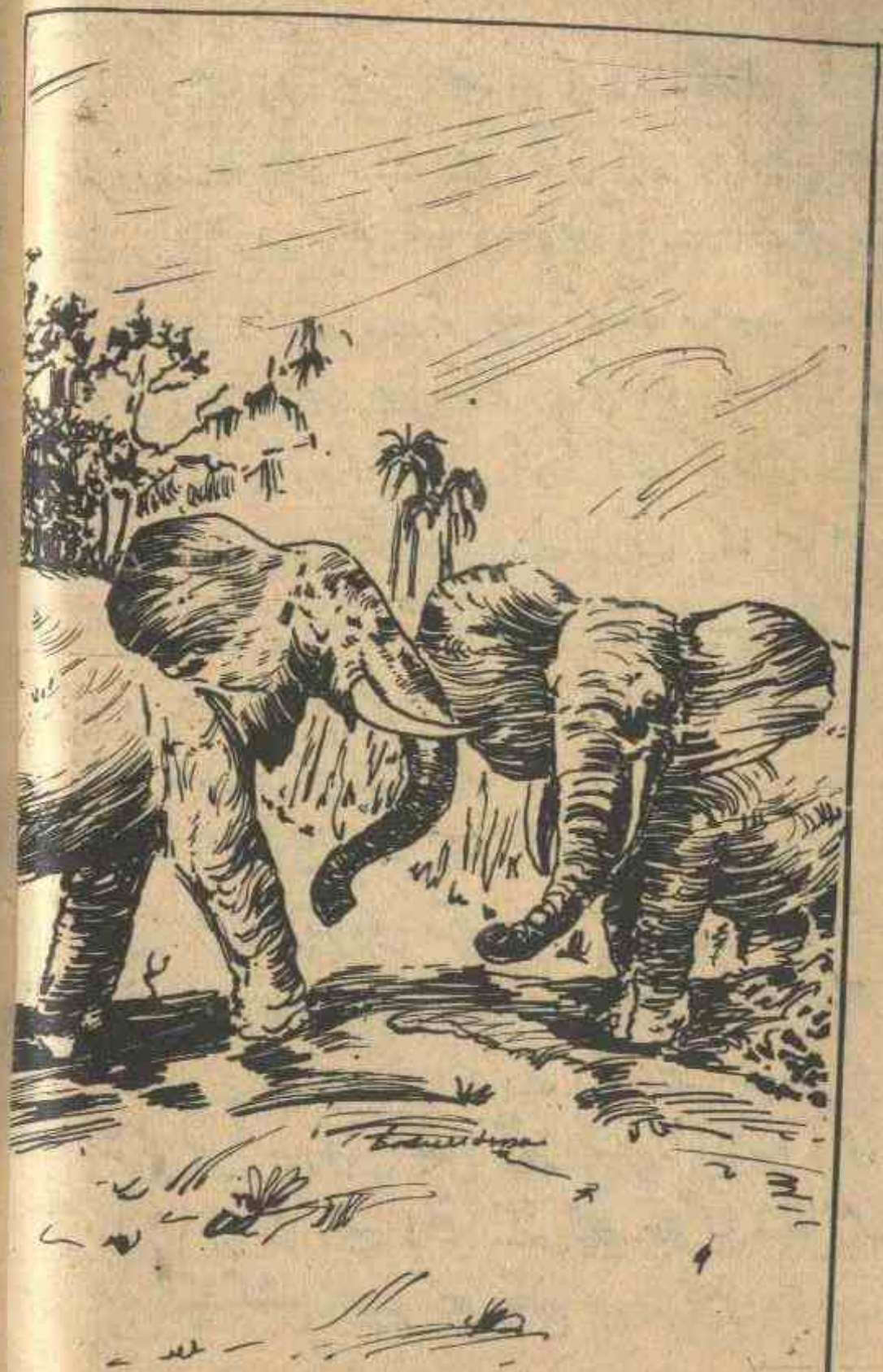

دو مہمان

کیمپ لگانے کے لیے ایک ایسی جگہ ڈھونڈی گئی تھی جو سیرن گیتی کے میدانوں کے کنارے پر تھی نگورو نگورو کے علاقے سے نکلتے ہی سڑک ایسی پیچ دار ہوگئی کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تیز چکر کاٹتے وقت ٹرک اِس زور سے اُچھلتا کہ خدا کی پناہ۔ ٹوکی شوق بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا جہاں تک نِگاہ کام کرتی اُسے ہرے بھرے میدان دکھائی دیتے۔ سُورج غرُوب ہو رہا تھا اور اُس کی سُرخ اور سُنہری کرنیں درختوں کی چوٹیوں پر لرز رہی تھیں۔ ہرنوں اور زیبروں کے ریوڑ میدان میں چرتے پھر رہے تھے۔ اس جگہ تو ببُول کی جھاڑیاں تک ہری بھری اور گھنی نظر آ رہی تھیں اور اُن کے کُنج پرندوں کا بسیرا بنے ہُوئے تھے۔ جب ٹرک

شور مچاتا ہُوا گزرتا تو پرندے پھڑ پھڑا کر ہوا میں اُڑنے لگتے۔

کیمپ لگایا جانے لگا تو ٹوکی نے سب کے ساتھ مل کر کام میں برابر کا حصّہ لیا۔ اُس نے ٹرک سے سامان اُتروانے میں مدد دی۔ خیمے لگ چُکے تو کُرسیاں اور میزیں اُٹھا اُٹھا کر اندر پہنچائیں اِس کے بعد جلانے کے لیے سُوکھی لکڑیاں اکٹھی کر لایا۔ جس وقت مسٹر پائک اپنے کسی ساتھی شِکاری کو لے کر کیمپ میں پہنچا تو ہر کام مُکمّل ہو چُکا تھا۔ جب ان کی شِکاری گاڑی شام کے سُرخی بھرے دُھندلکے میں گرد کے بگُولے اُڑاتی آگے بڑھی تو عبدُل اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور غور سے دیکھ کر بولا "مسٹر پائک کسی مہمان کو لے کر آ رہے ہیں"۔

وہ لوگ آنے والے مہمان کو نہیں پہچانتے تھے۔ عبدُل اِتنا کہہ کر پھر اپنے کام میں مصرُوف ہو گیا ٹوکی نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو اُسے شکاری کار کے پیچھے ایک چھوٹی سی جیپ نظر آئی جس کے اُوپر چھت نہ تھی اور وہ اُونچی نیچی زمین پر پھُدک پھُدک کر چلی آ رہی تھی۔ جیپ ببُول کے اس درخت

سے چند فٹ کے فاصلے سے گزری جس کے نیچے
ٹوکی آلوؤں کی بوری کے پاس آلتی پالتی مارے بیٹھا
آلو چھیل رہا تھا۔

"ہیلو" اجنبی نے موٹر میں سے کودتے ہوئے
کہا اور مسکراتے ہوئے ٹوکی کی طرف غور سے دیکھا

"ہیلو" ٹوکی نے کچھ جھینپتے ہوئے جواب دیا۔

"بڑی محنت کا کام کر رہے ہو ننھے دوست!"

"یہ تو کچھ ایسا محنت کا کام نہیں ہے جناب۔"

"اچھا؟ تم چھوٹے سے ہو نا۔ اِس لیے میں نے
سوچا تمھارے لیے یہ مشکل کام ہے۔" اجنبی نے
ٹوکی کو چمکارتے ہوئے کہا اور خیمے کی طرف
بڑھ گیا۔ خیمے کے اندر سے انگریز شکاری پائک کی
بڑ بڑانے کی لگاتار آواز آرہی تھی۔ کبھی وہ راستے
کے گرد و غبار کی شکایت کرتا، کبھی شکار کی کمی اور
برف نہ ملنے کی۔ دوسرا شکاری رشید احمد اُس کی
باتیں بڑے صبر سے سُن رہا تھا۔ اُس نے سفر اور
شکار کو دل چسپ اور آرام دہ بنانے کی پوری پوری
کوشش کی تھی۔ لیکن پائک کو کسی طرح خوش
نہیں کر سکا تھا۔ رشید احمد افریقہ کے ایک ملک تنزانیہ

کے دارالحکومت دارالسلام کا رہنے والا تھا اور
اس علاقے کے محکمۂ شکار کی طرف سے غیر ملکی
شکاریوں کی مدد اور رہنمائی کے لیے مقرر تھا جب
دوسرا شخص خیمے میں داخل ہوا تو پائک بھونڈی
آواز میں کہہ رہا تھا۔

"جہنم میں جائے ایسا شکار۔ دن بھر خاک چھانتے
گزرا اور مارا ایک سڑا ہوا ہرن ——— آؤ آؤ مسٹر
رحمانی" اُس نے آنے والے کا استقبال کرتے ہوئے
اپنی آواز کو تھوڑا سا نرم کر لیا۔ رحمانی نے پائک اور
رشید احمد کو سلام کیا اور ایک کرسی کھینچ کر اُن کے
قریب بیٹھ گیا۔ رحمانی ملک کینیا کے دارالحکومت
نیروبی کا رہنے والا تھا اور چند میل کے فاصلے پر
ایک اور شکار گاہ کی نگرانی اس کے ذمے تھی۔ وہ
اس طرف سے گزر کر سیرن گیتی کے شکاری میدانوں
کی طرف جانے والے شکاریوں کی رہنمائی کرتا تھا۔
رشید احمد کی اس سے پرانی واقفیت تھی اور اُسی
کے بلانے پر وہ اِس شام پائک کے کیمپ میں آیا
تھا کہ اِس علاقے کے ایک خونخوار شیر کے متعلق
اُس کے سوالات کا جواب دے جسے وہاں کے

لوگ "سفید ایال والا سمبا" کہتے تھے۔

"کیا اِس جگہ ایسا کوئی آدمی نہیں جو مجھے اس جانور کے بارے میں صحیح معلومات مہیّا کر سکے؟ کیا کوئی ایسا شیر واقعی موجود ہے؟ اگر ہے تو کس جگہ؟ کیا آپ میری ان سب باتوں کا تسلّی بخش جواب دے سکتے ہیں مسٹر رحمانی؟" پائک نے پُوچھا۔

"شیر یہاں واقعی پایا جاتا ہے۔ مسائی قبیلے کے لوگ کہتے ہیں کہ جنوبی علاقے میں اس شیر کو چند ہفتے پہلے دیکھا گیا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"مسائی؟ لعنت بھیجو ان پر وہ ہمیشہ بکواس کرتے ہیں۔" پائک کہنے لگا۔

"میں اس کے متعلّق یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا ہاں اتنا جانتا ہُوں کہ اگر کوئی اس شیر کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے تو وہ مسائی ہی ہیں۔ کیونکہ وہ اس علاقے کی خانہ بدوش قوم ہے۔ یہ سارے جنگل اُن کے دیکھے بھالے ہیں۔ وہ اس شیر کے متعلّق عجیب و غریب قصّے سناتے ہیں —— کیوں رشید تم نے تو سنے ہونگے اُن کے قصّے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ لیکن مجھے اُمّید نہیں کہ ہم اس

شیر کو پا سکیں۔" رشید نے نقشے پر سے نگاہیں ہٹاتے ہُوئے لمبا سانس لے کر کہا تو رحمانی مُسکرایا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ رشید ایک نڈر شکاری ہے لیکن پھر بھی اس نے شیر کا شکار آج تک نہیں کیا۔ اِس لیے نہیں کہ وہ شیر سے خوف کھاتا ہے بلکہ اِس لیے کہ اُسے شیر اس قدر پسند ہے کہ وہ اسے مارنا نہیں چاہتا۔ جب بھی کوئی شکاری شیر کے شکار کا ارادہ ظاہر کرتا رشید اُسے ہاتھی کے شکار پر اُکساتا۔ لیکن اِس دفعہ وہ جیسے پائک کے سامنے بے بس سا ہو کر رہ گیا تھا اور کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ کیونکہ پائک اکھڑ طبیعت کا آدمی تھا۔ اور جو کوئی اُس کی مرضی کے خلاف کچھ کہتا تو وہ پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتا۔ رحمانی نے دیکھا کہ پائک سگار کا پچھلا حصّہ چباتے ہُوئے کسی گہری سوچ میں کھویا ہُوا ہے۔

"سُنا ہے کہ یہ سمبا بہت بڑا شیر ہے؟" اُس نے اچانک پُوچھا۔

"جی ہاں۔ کہتے ہیں اِس شیر سے بڑا اور کوئی شیر نہیں دیکھا گیا۔" رحمانی نے کہا۔

"مسائی لوگ اسے اپنی زبان میں اولیوگیورو

ایبرُو اپلو گُونگا کہتے ہیں جس کا مطلب ہے سفید ایال والا شیر۔" رشید نے بتایا۔

"عجب بکواس قسم کی زبان ہے ان کی۔ لیکن آپ لوگ کچھ اپنی معلومات بتایئے نا۔ کیا آپ نے خود کبھی کوئی ایسا شیر دیکھا ہے؟" پائک نے تیوری چڑھا کر کہا اور سگار کے لمبے لمبے کش لیتے ہُوئے دونوں آدمیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"دو سال ہُوئے کافی فاصلے سے میں نے اسے دیکھا تھا۔ میرے پاس دُوربین تو تھی لیکن جس طریقے سے وہ چل رہا تھا اُسے پُوری طرح دیکھنا مُشکل تھا۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اُس کی ایال میں مجھے چاندی جیسی روپہلی لٹیں چمکتی نظر آئی تھیں۔" رحمانی نے جواب دیا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خیمے کے سامنے والا پردہ ہٹا اور ٹوکی ایک ٹرے اُٹھائے چُپکے سے اندر داخل ہُوا۔ ٹرے میں دُھلے ہُوئے گلاس رکھے تھے وہ انھیں میز پر رکھتے ہوئے بڑے غور سے ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا اور پائک کے شکاری کارنامے سُن کر اُس کی آنکھیں مارے حیرت کے

پھیلتی جا رہی تھیں۔

"مسٹر رحمانی، آپ یقین کریں، میں خوفناک سے خوفناک درندوں کا شکار کر چکا ہُوں۔ اُن کے سر میرے کمرے میں لگے ہُوئے ہیں۔ اور اگر کہیں یہ سمبا مجھے مل جائے تو اسے شکار کر کے اسے میں سب سے زیادہ عزّت کی جگہ دُوں اور اس کے سر کو آتشدان کے اُوپر لگاؤں جہاں اب برفانی ریچھ کا سر لگا ہے۔" پائک کہہ رہا تھا اور اُس کے دونوں ساتھی غور سے سُن رہے تھے۔

"سُندر بن پاکستان کا مشہُور جنگل ہے۔ میں نے اُس کی شکار گاہوں سے کئی شیر مارے ہیں۔ میں نے اُن کے سر اور کھالیں اِتنی تعداد میں جمع کر رکھی ہیں کہ میرے گھر کے ہر کمرے میں ایک دو موجُود ہیں۔ آپ کو کبھی مشرقی پاکستان جانے کا اتّفاق ہُوا ہے؟" اُس نے ایک دم اپنی گفتگو کا موضُوع بدلتے ہوئے پُوچھا۔

رحمانی نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ اُس کی باتوں کے بجائے کہیں دُور کسی خوف زدہ زیبرے کی کیوئیک کیوئیک کی آواز پر کان لگائے

ہُوئے تھا۔

جی ؟ جی نہیں ..... مجھے مشرقی پاکستان جانے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ میں پانچ سال کی عمر میں دارالسّلام سے اپنے والدین کے ساتھ اِس علاقے میں آیا اور پھر کبھی باہر نہیں گیا۔ مجھے ان جنگلوں سے اِتنی محبّت ہے کہ اِن سے دُور جانے کا کبھی خیال بھی نہیں آیا۔" رحمانی کہنے لگا۔

"ہوں ـــــ اچھا تو آیئے میں آپ کو اُس مُلک کی کچھ تصویریں دکھاؤں ..... اے چھوکرے وہ کونے والی میز پر پڑی ہُوئی کتاب اُٹھا لا۔" اُس نے ٹوکی سے کہا۔

ٹوکی ادب سے سر جُھکا کر میز کی طرف بڑھا اور کالی جلد کی موٹی سی کتاب اُٹھا کر پائک کے پاس لے آیا۔

"میں تمھیں نہیں پہچانتا ـــــ تُم کہاں سے آگئے ؟" پائک نے بھاری سی آواز میں یُوں کہا جیسے بادل گڑگڑا رہا ہو۔ اُس کی گھنی بھویں سمٹ کر عجیب سی لگ رہی تھیں۔ اور ماتھے پر بل پڑے ہُوئے تھے۔ ٹوکی سہم گیا۔ اُسے اپنے گلے میں لفظ اٹکتے

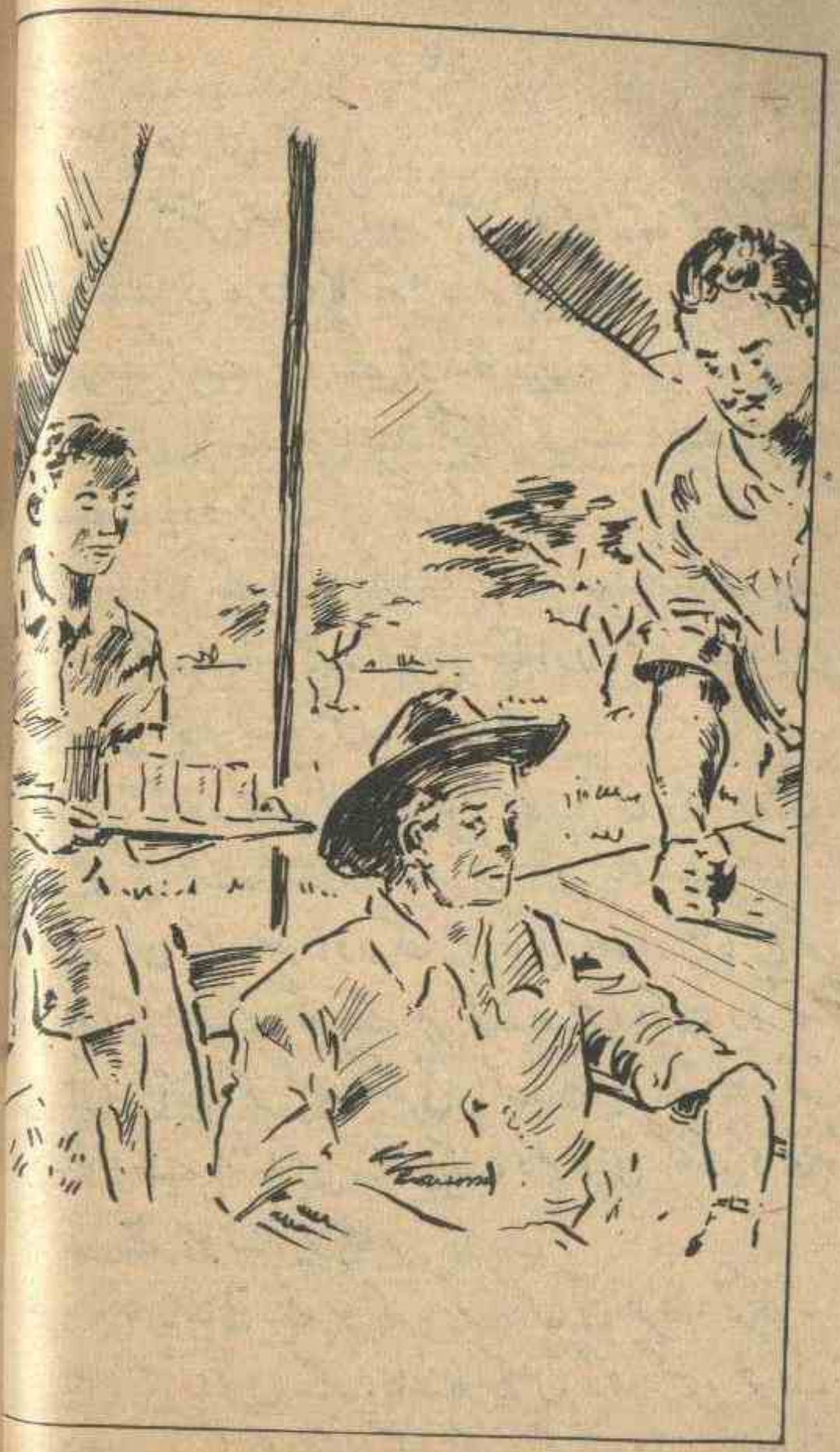

ہُوئے محسوس ہُوئے۔

"میرا..... میرا نام ٹوکی ہے جی۔ میں اُن لڑکوں کے ساتھ آیا ہوں۔ میں بہت محنت سے کام کر سکتا ہُوں۔ ایمان دار ہُوں۔ میں نے کبھی چوری نہیں کی..."

اتنا کہہ کر اُس نے اُوپر نظر اُٹھائی مگر پائک ابھی تک اُسے کڑی نظروں سے گھُور رہا تھا۔

"میں..... میں بُوٹ بھی پالش کر سکتا ہُوں جی۔ بہت اچھّی طرح۔" اُس نے جلدی سے کہا کہ شاید یہی ہُنر اُس کی سفارش کر سکے لیکن پائک پر کچھ اثر نہ ہُوا۔

"تمھیں کُون اِس جگہ لایا ہے؟" پائک نے غصّے سے پُوچھا۔

"کُوئی بھی نہیں جناب ——— میں..."

"تُم فوراً واپس جاؤ ——— جہاں سے آئے ہو سیدھے وہیں لوٹ جاؤ۔ سُنا تُم نے؟" پائک نے غرّاتے ہُوئے کہا۔ بے چارے لڑکے کا مُنھ فق ہو گیا۔

"تُم آئے کہاں سے؟" پائک نے پھر پُوچھا:

"جناب، میرا گھر مٹووا امبو کے قریب ہی ہے۔" ٹوکی نے جواب دیا اور پھر اپنے اِس جگہ تک پہنچنے

کا سارا حال سُنا دیا یہ سُن کر کہ ٹوکی سامان کے ٹرک میں چھُپ کر یہاں آیا ہے پائک کی گھنی بھنویں مارے حیرت کے گپھا سی بن گئیں اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا تم نے پہلے بھی کبھی شکاری لڑکے کے طور پر کام کیا ہے؟"

رحمانی پُوچھنے لگا۔

"نہیں جناب۔ میں نے شِکاری کیمپ میں کبھی نوکری نہیں کی۔ ہاں اپنے باپ کے ساتھ چھوٹی چھوٹی شکاری مُہمّوں پر جاتا رہا ہوں۔ میرا باپ جھیل مینیارا کے قریبی جنگلوں میں سکاؤٹ تھا اور اُس نے مجھے جنگلی جانوروں کے مُتعلّق بہت کچھ سکھایا تھا۔"

رحمانی کو اِس بچّے پر بڑا ترس آیا۔ وہ بولا

"میرا خیال ہے، اِسے رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں مسٹر پائک۔ میں آپ کی باتوں میں دخل دینے کی معافی چاہتا ہُوں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ لڑکا آپ کے لیئے فائدہ مند ثابت ہوگا۔ زیادہ نہیں تو اُس وقت تک اِسے ضرور یہیں رہنے دیں جب تک کہ اِسے اِس کے گاؤں واپس بھیجنے کا انتظام

نہ ہو جائے۔ بہت چھوٹا لڑکا ہے۔ اکیلا کیسے جا سکے گا۔" ٹوکی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں رحمانی کا شکریہ ادا کیا مگر پائک کی آواز پر وہ پھر سہم گیا۔

"ہم یہاں ایک خطرناک شکار کے لیے آئے ہیں۔ کسی کے پاس وقت نہیں کہ بیٹھ کر بچّوں سے کھیلے اس چھوکرے کو واپس بھیجا جائے گا۔ جب بھی کوئی گاڑی اُس طرف جاتی ہوئی دیکھی جائے مجھے اطلاع کی جائے تاکہ اسے اس کے گھر پہنچایا جائے۔۔۔۔ اور دیکھو چھوکرا، اِس عرصے میں چُپکے بیٹھے رہو۔ اگر میں نے کبھی تمھیں فتور کرتے دیکھا تو یاد رکھو، بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"جناب؟ میں کبھی کوئی شرارت نہیں کروں گا۔"

"اچھا تو جاؤ عبدُل کو کھانا پکانے میں مدد دو۔"

پائک نے ہاتھ کے اِشارے سے ٹوکی کو چلے جانے کا حکم دیا۔ بے چارہ لڑکا سہما ہوا خیمے سے نکل گیا۔ اور پائک پھر رشید اور رحمانی کی طرف مُتوجّہ ہُوا۔ تھوڑی دیر بعد رحمانی اس سے رُخصت ہو کر اپنے کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ٹوکی اُس کی جیپ کو جاتے ہُوئے دیکھتا رہا پھر عبدُل کے پاس چلا آیا

جو کیمپ کے باہر بڑے سے الاؤ کے سامنے آلتی پالتی مارے ہنڈیا میں چمچہ چلا رہا تھا۔

"عبدُل چچا، کیا تم نے کبھی سفید ایال والا شیر دیکھا ہے؟" ٹوکی نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہاں ایک بار اُس کی گرج سُنی تھی۔ اس بات کو مُدّت ہُوئی۔ کئی سال گزرے۔" عبدُل نے اُسی طرح چمچہ چلاتے ہُوئے کہا۔

"پائک صاحب اِتنے بڑے شکاری ہیں۔ کیا وہ اُسے ڈھونڈ نکالیں گے؟" ٹوکی نے پُوچھا تو عبدُل ہنسنے لگا۔

"ہو سکتا ہے۔۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ شیر صرف مسائی قبیلے والوں کے خواب و خیال ہی میں بستا ہو۔ مگر ننھے بھائی، میں ایک بات تمھیں بتا دوں۔ اگر مسائی لوگوں کی وہ کہانیاں سچّی ہیں جو وہ اس شیر کے مُتعلّق بتاتے ہیں تو وہ اپنی حفاظت کرنا خُوب جانتا ہے اور اِنسان سے کہیں زیادہ ہوشیار اور چوکنّا ہے۔"

"اگر وہ ایسا ہی خوب صورت جانور ہے جیسا کہ مسائی لوگ بتاتے ہیں تو پائک صاحب اُسے کیوں

مارنا چاہتے ہیں؟ اُسے مارنا تو بہت بُری بات
ہے عبدُل چچا؟ کیا نہیں؟"

عبدُل نے بھنویں اُوپر چڑھاتے ہوئے مُسکرا کر
اُس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "ہو سکتا ہے تم
ٹھیک کہتے ہو یا ہو سکتا ہے غلط کہتے ہو۔ میں
تو اِس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

اور سچ مُچ عبدُل نے آج تک یہ بات نہیں
سوچی تھی کہ جانوروں کو مارنا اچھی بات ہے یا بُری
بات۔ وہ تو یہ جانتا تھا کہ اِنسان کے اصُول اور قُدرت
کے اصُول اپنی اپنی جگہ دُرست ہیں۔ قُدرت رات
اور دن پیدا کرتی ہے۔ آدمی دن کے وقت کام اور
رات کو آرام کرتا ہے اور یہی اُس کی عادت بن گئی
ہے۔ وہ پھر اسی قسم کے خیالوں میں کھو جانے کو تھا
کہ ٹوکی بولا:

"بھلا لوگ شیروں کو کیوں مارتے ہیں؟ میں تو
کبھی کسی شیر کو نہ مارُوں۔"

عبدُل نے چمچے کو ہنڈیا کے کنارے پر مارتے
ہُوئے اُس کی طرف دیکھا۔ پھر جھاڑن سے چمچے کو
صاف کر کے ایک طرف رکھ دیا۔

مسٹر پائک ایک ایسا شکاری ہے جو اصل
میں بہادُر تو نہیں لیکن جب اس کی بندُوق کی گولی
ذن سے چلتی اور کسی جانور کو مار گراتی ہے تو وہ
سمجھتا ہے کہ وہ بڑا بہادُر ہے —— اور اُسے
اپنے دل میں خوشی محسُوس ہوتی ہے۔" عبدُل نے
ٹوکی کی طرف یُوں دیکھا جیسے اپنے اِس عقل مندی
کے جواب پر اِترا رہا ہو۔ اور پھر اُسی طرح آگے
پیچھے جھُولتے ہُوئے ہنسنے لگا۔ مگر ٹوکی اُس کی یہ
عجیب باتیں سمجھ نہ سکا۔

جب پائک خُوب پیٹ بھر کر کھانا کھانے
کے بعد سونے کے لیے چلا گیا تو ملازموں نے
بھی کھانا کھایا، برتن دھو کر ٹھکانے سے رکھے اور
آگ کے سُرخ دائرے میں بیٹھ کر آپس میں باتیں
کرنے لگے۔ اُن کی گفتگو کا موضُوع وہی شیر کا شکار
تھا۔ ہر ایک کوئی نہ کوئی قصّہ بیان کر رہا تھا۔ اور
وہ خوف کھا رہے تھے کہ کیا خبر آج رات اُن
کے کیمپ میں کوئی شیر آ پہنچے۔ اسی لیے سونے
سے پہلے اُنھوں نے الاؤ میں بہت سی سُوکھی
لکڑیاں ڈال دیں۔ شعلے اُونچے اُٹھنے لگے اور

ٹوکی ڈرا ڈرا سا شیروں کی کہانیاں سُنتا رہا۔ پھر ایک ایک کر کے سب سو گئے۔ صرف ایک چوکیدار پہرے پر مقرّر کر دیا گیا۔ اُسے ہدایت کر دی گئی کہ الاؤ میں لکڑیاں ڈالتا رہے تاکہ شعلے مدّھم نہ پڑیں اور خوں خوار جانور کیمپ میں داخل نہ ہو سکیں۔

ٹوکی بھی اپنا کمبل اوڑھ کر الاؤ کے قریب لیٹ رہا اور سونے کی کوشش کرنے لگا ــــ مگر سونے سے پہلے اُسے اپنے باپ کا کہا ہوا یہ فقرہ بار بار یاد آتا کہ جب اِنسان سو جاتا ہے تو جنگل جاگ اُٹھتا ہے۔ وہ رات بھر جانوروں کی عجیب و غریب آوازوں کو سُنتا رہا۔ دور کہیں زیبروں کا گلّہ چاندنی میں کلیلیں کرتا پھر رہا تھا اور پاس ہی کوئی پرندہ ٹیلری۔ ری۔ ری۔ کا راگ الاپ رہا تھا۔ ٹوکی بہت خوش ہوا اور خود بھی ویسی ہی آواز نکال کر گانے لگا۔ اُس نے ایسی نقل اُتاری کہ پرندے نے بھی جواب میں آواز دی۔ ٹوکی کا دِل خوشی سے بھر گیا اور پھر خبر نہیں کس وقت نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

سارے کیمپ پر خواب کا جادُو چھایا ہُوا تھا کسی کو خبر نہ ہُوئی کہ رات میں کس وقت سارے جانور ایک دم کیوں چُپ ہو گئے۔ ببُول کے گھنے جھاڑوں میں آرام سے سُوتا ہُوا ہرن کیوں چونک پڑا اور جان بچا کر میدانوں کی طرف اُٹھ دوڑا۔ ٹوکی سے کوئی سو گز کے فاصلے پر چاندنی میں دو آنکھیں چمک رہی تھیں اور صرف چاند نے ہی یہ منظر دیکھا کہ ایک بہت بڑا شیر کئی منٹ تک چُپ چاپ کھڑا خیموں کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ وہ بھڑکتے ہُوئے شعلوں پر نگاہیں جمائے خبر نہیں کیا سوچتا رہا پھر ایک دم مُڑا اور مشرق کی سمت کے میدانوں کا رُخ کیا۔ وہ کیسے دبدبے سے چل رہا تھا۔ اُس کی ایال میں چاندی کے تاروں جیسے گچھے چاندنی میں چمک رہے تھے۔

سیرن گیتی میں

اگلے چند روز پائک نے شیر کی تلاش میں گزارے مگر بے کار۔ سفید بالوں والے شیر کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ ٹامس اور دُوسرے کھوجیے صبح اندھیرے مُنھ کیمپ سے نکلتے اور دن بھر جنگلوں میں مارے مارے پھرتے۔ پائک ناشتے سے فارغ ہوتے ہی رشید احمد کو ساتھ لے کر نکل کھڑا ہوتا۔ وہ کھوج پانے کے لیے قدم قدم پر زمین کو غور سے دیکھتے اور دوپہر کو دیر سے کیمپ میں واپس آتے

ٹوکی کیمپ کا روز مرّہ کا کام خُوب سیکھ گیا اور بڑی محنت اور شوق سے کام کرنے لگا۔ وہ سُورج نکلنے سے پہلے اُٹھتا اور بجھتی ہُوئی آگ پر لکڑیاں ڈال کر سُلگاتا یہاں تک کہ شعلے اُٹھنے لگتے۔ وہ گرم چائے کی ٹرے پائک کے خیمے میں

لے جاتا اور دروازے میں رکھ کر چلا آتا۔ وہ اُس کے بُوٹ پالش کرتا اور اُنھیں اتنا چمکاتا کہ اُن میں سے شعاعیں پھوٹ پڑتیں۔ پھر وہ عبدُل کا ہاتھ بٹانے لگتا۔ مگر پائک نے کبھی اُسے شاباش تک نہ دی جیسے اُسے خبر ہی نہ ہو کہ اُس کے بُوٹوں کی یہ غیر معمولی چمک ٹوکی کے بازُوؤں کی قوّت سے پیدا ہُوئی ہے۔ نہ اُس نے کبھی یہ غور کیا کہ اُس کا خیمہ پہلے سے کتنا صاف سُتھرا رہتا ہے۔ ہر چیز کتنے قرینے سے اپنی اپنی جگہ پر رکھی ہوتی ہے۔ اور تو اور اُس نے کبھی یہ تک نہ پوچھا کہ اتنے شوق سے جنگلی پھول اکٹھے کر کے اچار کی خالی بوتلوں میں کون سجا جاتا ہے۔ یا تو پائک نے اِن باتوں پر توجّہ ہی نہ کی اور اگر کی تو اسے ظاہر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کی نظر کبھی ٹوکی پر پڑتی تو خواہ مخواہ اُس کے ماتھے پر بل پڑ جاتے لیکن ٹوکی پھر بھی بُرا نہ مانتا۔ ہر آنے والا دن گزرے ہوئے دن کی نسبت زیادہ پُر لُطف ہوتا وہ قسم قسم کے جانوروں کو دیکھتے دیکھتے نہ تھکتا اُن کی باتیں سُنتے سُنتے کبھی اس کا دل نہ بھرتا۔

جب دن بھر کا کام ختم کر کے لڑکے کیمپ کے الاؤ کے گرد بیٹھ جاتے تو ٹوکی دم سادھے اُن کی ایک ایک بات کو غور سے سُنتا اور افریقہ کے خوفناک جنگلوں کے قصّے سُن سُن کر اُس کے دل میں عجیب قسم کی ہل چل مچ جاتی۔ پائک کے کھوجیے دن بھر سِمبا کی تلاش میں پھرتے اور رات کو الاؤ کے پاس بیٹھ کر دن کے واقعات سناتے کہ کیسے جھاڑیوں میں سے ایک چیتا اُن کے دیکھتے دیکھتے بھاگ کھڑا ہُوا یا ہاتھی کے پیروں کے نشان کس طرف سے کس طرف گئے۔ بعض دفعہ مسائی قبیلے کے کچھ آدمی پھرتے پھراتے اِس طرف آنکلتے تو جنگل میں منگل دیکھ کر کیمپ میں چلے آتے۔ ٹوکی نے عبدُل سے ان خانہ بدوش لوگوں کے بہت سے قصّے سُن رکھے تھے جو اپنے مویشیوں کو ساتھ لیے پانی اور چارے کی تلاش میں جگہ جگہ پھرا کرتے تھے۔ عبدُل تھوڑی بہت مسائی زبان بھی جانتا تھا اور آنے والے مہمانوں کی خیر و عافیت اُنھی کی زبان میں پُوچھتا تھا۔

اِس جگہ کیمپ لگائے پانچ روز ہو گئے لیکن

اس عرصے میں سمبا کا کہیں سُراغ نہ ملا۔ پانچویں روز ٹوکی بہت سویرے اُٹھا سردی سے اس کے پیر برف ہو رہے تھے۔ رات کے وقت سردی ایک دم بڑھ گئی اور سرد ہوا چلنے لگی تھی۔ سیرن گیتی کے میدان اس علاقے کی لمبی چوڑی سطحِ مرتفع کا ایک حصّہ تھے اگرچہ خطِ استوا کا علاقہ اِس جگہ سے صرف چند دن کی دُوری پر تھا اِس کے باوجود آب و ہوا میں بڑا فرق پیدا ہو گیا تھا۔ ٹوکی نے اپنے تھیلے سے سویٹر نکالا اور پہن لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ سُورج نکلنے سے پہلے ہوا کافی سرد رہے گی۔

اس وقت تک اور کوئی نہیں جاگا تھا۔ بجھی بجھی سی آگ دیکھ کر ٹوکی کو اُداسی محسُوس ہُوئی اُس نے اپنے پیروں کو گرم کرنے کے لیے رگڑا اور جمائی لیتا ہوا اُٹھ کھڑا ہُوا —— مسٹر پائک کو حجامت کے لیے گرم پانی دینا ہوگا۔ پھر جلد ہی چائے کا وقت ہو جائے گا اور عبدُل ابھی تک پڑا سو رہا ہے۔

اُس نے جُوتے پہنے، کمبل کو تہ کر کے تھیلے میں ٹھونس دیا اور آگ جلانے لگا۔ لکڑیاں کم

رہ گئی تھیں۔ اُس نے تھیلے سے اپنا لمبا چاقو نکالا اور ایندھن کاٹنے کے لیے ببُول کے ذخیرے کی طرف روانہ ہُوا۔ وہ مزے مزے سے گُنگناتا اور بڑا سا زرد کیلا چھیلتا ہُوا چلا جا رہا تھا۔ اِس وقت بے حد خوش تھا۔ اُس کے چاروں طرف سبز جنگل اور میدان پھیلا ہُوا تھا۔ وہ ببُول کی جھاڑیوں سے گزرتا تو آہٹ پا کر ننّھے ننّھے سبز پرندوں کے جھنڈ شاخوں پر سے پھڑ پھڑا کر اُڑتے اور فضا میں بھی سبزہ ہی سبزہ بھر جاتا۔

وہ گھنے جھاڑ جھنکار میں گھُسا تو ایک ننّھا سا ہرن چوکڑیاں بھرتا ہُوا یُوں بھاگ اُٹھا جیسے کوئی خرگوش۔ ٹوکی اُس کی نقل کرتے ہُوئے اُسی طرف اُچک اُچک کر دوڑنے لگا جس طرف ہرن گیا تھا۔ مگر اپنی اِس بھدّی نقل پر اُسے خود ہی ہنسی آگئی کہاں ہرن کی سُبک رفتار جیسے ہوا میں اُڑ رہا ہو اور کہاں اُس کی دھما چوکڑی ہنستے ہنستے اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا لیکن جلد ہی وہ اپنے کام کی طرف متوجّہ ہو گیا۔

سُورج ابھی نہیں نکلا تھا مگر عجیب قِسم کی

روشنی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ وہ اپنے چاقو سے لکڑیاں کاٹنے لگا۔ لمبی لمبی شاخیں کٹ کر زمین پر گرتیں تو اُس کا دل خوشی سے جھُوم اُٹھتا۔ جب خاصا بڑا ڈھیر لگ گیا تو ٹوکی نے اُن کا گٹھّا باندھا اور اُٹھا کر واپس چلا۔

وہ ببُول کے ذخیرے سے نکلا تو اُس کی نظر سامنے میدان میں چرتے ہُوئے زیبروں کے گلّے پر پڑی۔ اِن زیبروں کے درمیان ایک عجب قسم کا وحشی جانور کھڑا تھا جس کی صُورت کسی بہت بڑے خچّر جیسی تھی اور پہاڑی بکرے جیسی لمبی ڈاڑھی گردن کے نیچے لٹک رہی تھی۔ وہ ان زیبروں کے گلّے میں مل جُل کر یُوں چر رہا تھا جیسے وہ بھی اپنے آپ کو زیبرا ہی سمجھ رہا ہو ٹوکی جیسے ہی اُن کے قریب سے گزرنے لگا وہ سب چوکنّے ہو گئے اور اُوپر دیکھنے لگے۔ اور پھر جب اُن کی نظر ٹوکی پر پڑی وہ ہڑبڑا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ پُورا گلّے کا گلّہ فرّاٹے بھرتا پل بھر میں میدان کے اُس پار درختوں کے گھنے جھُنڈ میں غائب ہو گیا۔ اُن کا عجیب و غریب ساتھی

بھی بے ڈھنگی چال سے اُن کے پیچھے لپکا چلا جا
تھا۔ اُسے دیکھ کر ٹوکی کو بہت ہنسی آئی۔ وہ اس
جانور کا نام نہیں جانتا تھا۔

وہ اصلی راستہ چھوڑ کر میدان پار کرنے لگا
سُورج نکلنے میں ابھی دیر تھی اور وہ جنگل کے
دل کش مناظر دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ آدھ گھنٹے تک
یُونہی چلتا اور عجیب عجیب جنگلی جانوروں کو دیکھ
رہا۔ ایک جگہ بہت سے زرافے ہری ہری گھاس
چرنے میں مصرُوف تھے۔ کچھ اپنی لمبی لمبی گردنوں
کو اُٹھائے کیکر کی نرم نرم کونپلیں کھا رہے تھے۔
کہیں جھاڑیوں میں لومڑی کے بچّے اپنے لمبے لمبے
بے ڈھنگے کانوں کو ہلا ہلا کر اُسے کالی کالی چمکیلی
آنکھوں سے گھُور رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں
کہ "یہ بن بُلایا مہمان ہماری سرزمین پر کیسے چلا
آیا؟" جب سُورج کی کرنیں درختوں کی چوٹیوں پر
جھلملانے لگیں تو ٹوکی چونک اُٹھا۔ اسے فکر ہُوئی
کہ اُس کو کافی دیر ہو گئی ہے۔ اب وہ تیز تیز قدم
اُٹھانے لگا تاکہ جو لمبا راستہ اُس نے جان بُوجھ کر سیر
کرنے کے لیے اختیار کیا تھا، جلد طے ہو جائے۔

جب وہ میدان کے دُوسرے سرے پر پہنچا
تو کیمپ تک جلد پہنچنے کے لیے بجائے اس نیم دائرے
کو طے کرنے کے جو پگڈنڈی کی صورت میں کیمپ تک
جاتا تھا جنگل کے اندر ہی اندر چلنا شروع کر دیا۔ میدانی
علاقہ پیچھے رہ گیا ببُول کا یہ جنگل چٹخی ہُوئی چٹانوں
پر پھیلا ہُوا تھا۔ اس کے دوسرے کنارے پر پائک
کا کیمپ تھا۔ اِس طرف سے فاصلہ کم تھا مگر راستہ
مُشکل تھا۔ ٹوکی اتنا تیز نہ چل سکتا تھا جتنا اُس نے
خیال کیا تھا۔ گھنی جھاڑیوں میں لمبے لمبے نوکیلے
کانٹے تھے جن میں وہ رہ رہ کر اُلجھ جاتا۔ اُس کی
ٹانگیں زخمی ہو گئیں، سویٹر پھٹ گیا۔ کبھی وہ کسی چٹان
سے ٹھوکر کھاتا کبھی کسی پتھر پر سے رپٹ پڑتا۔

اب وہ سیدھا راستہ چھوڑ کر اِدھر آنے پر پچھتا
رہا تھا۔ مگر واپس پھرنے سے آگے بڑھے جانا بہتر
تھا اور وہ گرتا پڑتا آگے ہی بڑھ رہا تھا۔ کچھ دُور
چلنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ زمین پر بچھی ہوئی گھنی
بیلیں راستہ رُوکے ہوئے ہیں اور درختوں کی شاخوں
سے اِس طرح گُندھی ہُوئی ہیں کہ کسی طرح راستہ بنانا
مُمکن نہیں۔

ٹوکی راستے کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا
ایک جگہ پر بیلیں اِس طرح دبی ہُوئی تھیں کہ اچھا
خاصا چوڑا راستہ بن گیا تھا۔ اِس سے ٹوکی نے
اندازہ لگایا کہ اِس جگہ گینڈوں کی آمدورفت ہے
کیونکہ اِن بیلوں کو اِس طرح دبا کر زمین پر فرش
کر دینا اور کسی جانور کے بس کی بات نہیں۔ مگر
اِس خیال سے بھی وہ خوف زدہ نہ ہُوا بلکہ اچھا راستہ
مل جانے پر اتنا خوش ہُوا کہ کھل کھلا کر ہنسنے لگا اور
گھنے پتّوں سے چھنتی ہُوئی سُورج کی کرنوں سے وقت
کا اندازہ کر کے اُس نے رفتار تیز کر دی۔

اِتّفاق کی بات کہ یہ چوڑی پگڈنڈی جنگل میں
اِدھر اُدھر بل کھاتی کیمپ کی طرف جانے والے راستے
پر آنکلی۔ یہاں ٹوکی کو جانوروں کے پیروں کے نشان
نظر آئے تو وہ غور سے دیکھنے کے لیے زمین پر
جُھک گیا۔ اِن ملے جُلے نشانوں میں اُس نے ہرن
کے پیروں کے نشان پہچانے ان کے ساتھ چیتے
کے پنجوں کے نشان بھی موجُود تھے۔ مگر جب اُسے
قریب ہی گینڈے کے پیروں کے بڑے بڑے نشان
دکھائی دیے تو وہ لمبا سانس کھینچ کر وہیں رُک گیا

اور غور سے دیکھنے لگا۔ یہ نشان مُشکل سے گھنٹا بھر پہلے
کے تھے۔ اِس کا مطلب تھا کہ گینڈا ضرور کہیں قریب
ہی ہوگا۔

ٹوکی چوکنّا ہو کر چاروں طرف دیکھتا ہُوا آگے
بڑھا۔ مگر ذرا آگے جا کر اُسے رُکنا پڑا اُس کے راستے
میں ایک چھوٹا سا زیبرا کھڑا تھا۔ یہ صِرف چند دن
کا بچّہ تھا۔ ٹوکی حیران ہُوا کہ زیبرے کے بچّے کی
اِس جگہ موجودگی کا کیا مطلب اور اس کی ماں کہاں
ہے؟ وہ سب کچھ بھُول کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ اور بچّے
کو دیکھنے لگا۔ اُسے ڈر تھا کہیں کوئی وحشی جانور اس
چھوٹی سی جان کو آزار نہ پہنچائے۔ وہ اس کی ماں کا
اِنتظار کرنے لگا تاکہ وہ آکر اپنے بچّے کی حفاظت
کرے۔ کئی منٹ وہ انجیر کے تنے سے ٹیک لگائے
اِنتظار کرتا رہا مگر مادہ زیبرا کا کہیں نشان نہ تھا۔ بندر
کِلکاریاں مارتے ایک سے دُوسری شاخ پر اُچک
رہے تھے۔ پرندے شاخوں پر سے پھڑ پھڑا رہے
تھے۔ چھوٹا زیبرا آہستہ آہستہ چلتا ٹوکی کے پاس چلا
آیا۔ اُس کی کالی کالی آنکھیں لڑکے کے چہرے کو گھور
رہی تھیں۔

"پُنڈا ٹوٹو (چھوٹے زیبرے) تمھاری ماں کہاں ہے؟"
ٹوکی نے اس کے دھاری دار سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر پوچھا اور لکڑیاں ایک طرف رکھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

ننھے زیبرے نے اپنی ناک اُس کے کندھے سے رگڑنا شروع کر دی۔ ٹوکی نے آج تک کسی زیبرے کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ کئی منٹ تک وہ اُس کے نرم نرم جسم پر ہاتھ پھیرتا اور اپنی زبان میں آہستہ آہستہ اُس سے باتیں کرتا رہا۔ آخر وہ ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ زیبرے نے اُس کے کپڑوں کو اپنے دانتوں سے کھینچنا شروع کیا۔ ٹوکی مُسکرا دیا اور دونوں ہاتھ کمر پر رکھ اُس کی طرف یُوں دیکھا جیسے کوئی کسی شریر بچّے کو شرارت کرنے پر ڈانٹتا ہے۔

"نہیں ٹوٹو، مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے اب میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ تمھیں اپنی امّی کو ڈھونڈنا چاہیے۔ میں کب تک تمھارے ساتھ کھیلتا رہوں؟ بس جاؤ بھاگ جاؤ۔"

مگر زیبرے نے اُس کے کپڑے نہیں چھوڑے

ٹوکی بے اختیار ہنس دیا۔ اور بولا:

"کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اِس جنگل میں ایک بہت بڑا شیر رہتا ہے؟ یُوں اکیلے پھرو گے تو وہ کسی دن تمھیں کھا جائے گا۔ اور پھر اس جگہ بے شمار چیتے بھی پھرا کرتے ہیں۔ خواہ مخواہ کسی کے ہتھے چڑھ جاؤ گے۔ تمھیں اپنی حفاظت کرنی چاہیے بھئی۔"

وہ لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا کر پھر آگے چل پڑا۔ کئی گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اُس نے مُڑ کر دیکھا تو زیبرا اُس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ وہ ٹھہر گیا اُسے رُکتے دیکھ کر زیبرا ایک ہی چھلانگ میں اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"بہت بُرے بچّے ہو؟" ٹوکی نے رُوٹھنے کے انداز سے کہا۔

اسے معلوم تھا کہ اگر وہ بچّے کو زیادہ دُور لے گیا تو وہ اپنی ماں سے بچھڑ جائے گا لیکن اُسے مجبوراً آگے بڑھنا پڑا۔ آخر وہ کب تک اِس جنگل میں کھڑا رہتا۔ وہ چند ہی قدم چلا ہو گا کہ اُسے کسی آواز نے چونکا دیا۔ وہ چُپ چاپ کھڑا ہو گیا

اور دم سادھ کر سُننے لگا کہ یہ کیسی آواز تھی۔ اُس نے سر اُٹھا کر اُوپر دیکھا۔ فضا میں گِدھ اور پہاڑی کوّے منڈلا رہے تھے۔ وہ خُوب جانتا تھا کہ اِن مُردار خور پرندوں کی موجُودگی کا ایک ہی مطلب ہے کہ یا تو کوئی جانور اِس جگہ مرا پڑا ہے یا مرنے کے قریب ہے۔ وہ ڈر گیا کہ کہیں اِس ننھے زیبرے کی ماں ہی اِن کا شکار نہ ہو۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ پھر آواز آئی جس کی ساتھ شاخوں کے ٹوٹنے کی آواز بھی شامل تھی۔ ٹوکی اُس آواز کے رُخ چل پڑا۔

راستے سے بائیں ہاتھ ہٹ کر ایک گھنے جھاڑ جھنکاڑ کے اندر سے یُوں آواز آتی تھی جیسے کوئی جانور دولتیاں مار رہا ہو اور تکلیف سے تڑپ رہا ہو۔ ٹوکی اچھی طرح جانتا تھا کہ زخمی جانور سے دُور ہی رہنا چاہیے۔ کیونکہ تکلیف سے بے بس ہو کر وہ قریب آنے والے دُوسرے جاندار پر حملہ کر دیتا ہے۔ اِس کے علاوہ ٹوکی کو یہ بھی معلُوم تھا کہ جس جانور کی تاک میں یہ مُردار خور پرندے منڈلا رہے ہیں۔ اُس کی گھات میں خبر نہیں کتنے درندے جھاڑیوں میں چُھپے بیٹھے ہوں۔

مگر تڑپنے کی آواز نے اُسے پھر اپنی طرف مُتوجّہ کر لیا اور وہ اپنا چاقو مضبوطی سے پکڑے ہُوئے اِس جھُنڈ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ہر جھاڑی کو بڑے غور سے دیکھتا کہ کہیں کوئی درندہ اُس پر پیچھے سے حملہ نہ کر دے۔ دل ہی دل میں اپنی بے وقوفی پر پچھتا بھی رہا تھا لیکن اُس کے قدم خبر نہیں کیوں آگے ہی آگے بڑھے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ گھنی جھاڑیوں کی دیوار میں بنے ہُوئے ایک چوڑے راستے پر آکر رُک گیا۔ آواز اُسی طرف سے آ رہی تھی۔ اُس نے آہستہ سے جھانک کر دیکھا۔ اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اُس کی نظر ایک مادہ زیبرا پر پڑی جو پہلُو کے بل زمین پر پڑی تھی۔ اُس کے گلے میں مضبوط تار کا پھندا کسا ہُوا تھا اور وہ اس پھندے میں پھنسی بُری طرح تڑپ رہی تھی۔ ٹوکی نے لمبا اور گہرا سانس کھینچا۔ اِن گھنے درختوں میں جانور پکڑنے والے کسی شکاری نے یہ پھندا بڑی ہوشیاری سے لگا رکھا تھا جو اِس غریب جانور کی گردن میں پھنس گیا۔

ٹوکی آگے بڑھا۔ اُس نے دیکھا کہ پھندا زیبرا کی گردن میں بہت تنگ ہو چکا ہے۔ اُس نے ایک اُنگلی

تار میں پھنسا کر تار کو اُس کی گردن سے اُوپر
اُٹھائے رکھا اور دائیں ہاتھ سے تار کو چاقو سے
کاٹنا شروع کیا۔ وہ پُورے زور سے ہاتھ چلا
رہا تھا مگر تار کٹنے کا نام نہ لے رہا تھا۔ اِس
سخت محنت سے اُس کے ماتھے پر پسینہ پھوٹ
نکلا۔ بازُو اور شانے شل ہوگئے۔ لگاتار آدھ گھنٹے
کی محنت سے کہیں تار کٹ سکا۔ ٹوکی نے ایک
زور کے جھٹکے سے پھندے کو اُتار پھینکا۔ مادہ
زیبرا جو یقیناً اس چھوٹے بچّے کی ماں تھی، ایک
لوٹ لگا کر اُٹھی اور اُٹھتے ہی بھاگ کھڑی ہُوئی۔

جب ٹوکی نے اس جُھنڈ سے باہر آکر دیکھا تو
ماں اور بچّہ تیزی سے دوڑے جا رہے تھے۔ وہ
اس ملاپ پر بے حد خوش تھا۔ جب وہ دُور ایک
گھنے جُھنڈ میں غائب ہوگئے تو اِس نے پھر اپنا گٹھا
اُٹھایا اور کیمپ کی طرف چل پڑا۔ اس راستے سے
بھی کیمپ اِتنا نزدیک نہیں تھا جتنا کہ ٹوکی نے
سوچا تھا۔ بہت دیر تک چلنے کے بعد اُسے ببُول
کی جھاڑیوں کا وہ جانا پہچانا جُھنڈ دکھائی دیا جو کیمپ
کے سامنے تھا۔ اور اب اُس نے دوڑنا شروع

کر دیا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ عبدُل اُس پر بہت خفا ہوگا
شاید اُس نے پائک صاحب کو بھی بتا دیا ہو اور
وہ خبر نہیں اب اُسے کیا سزا دے۔ اسی سوچ
میں اُس نے گھنے جُھنڈ کا آدھا راستہ طے کیا۔
مگر وہ حیران تھا کہ کیمپ کے الاؤ کا دُھواں نظر
نہیں آرہا تھا۔ نہ آوازیں ہی سُنائی دے رہی تھیں۔

جب اُس نے ذخیرے سے باہر قدم رکھا تو
بے اختیار اُس سمت دوڑا جہاں کیمپ تھا۔ لیکن
اِس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں بجھے ہُوئے الاؤ کی
راکھ کا ڈھیر تو وہاں موجود تھا۔ مگر خیمے غائب تھے
اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا تھا۔ وہ اُس نیم
دائرے میں گھوم پھر کر اچھی طرح تسلّی کرنا چاہتا
تھا کہ کہیں وہ راستہ تو نہیں بھول گیا۔ مگر اُکھڑی
ہُوئی خیموں کی کھُونٹیوں کے نشان اور راکھ کا ڈھیر
اُسے یقین دلا رہا تھا کہ وہ راستہ نہیں بھُولا۔ کیمپ
اپنے سفر پر روانہ ہوگیا ہے، اور اسے اکیلا چھوڑ گیا
ہے۔

اور اُدھر کئی میل کے فاصلے پر عبدُل جیپ
میں بستر کے ایک پلندے کے اُوپر بیٹھے بیٹھے

بے چین ہو کر کسمسایا اور بُلند آواز سے پُوچھنے لگا
"ٹامس تم نے اُس چھوٹے لڑکے کو سامان والے
ٹرک میں بیٹھتے دیکھا تھا؟"

"ہاں ہاں —— میں نے خود اُسے ٹرک پر
چڑھتے دیکھا ہے۔ وہ ٹرک میں ہم سے پہلے پہنچ
چُکا ہوگا۔" ٹامس نے بے پروائی سے کیلا چھیل کر
چھلکا باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

"خُدا جانے —— میں نے تو اُسے آج
صُبح سے کہیں نہیں دیکھا۔"

اُس نے جھانک کر یُوں دیکھنے کی کوشش کی
جیسے ٹوکی کو ٹرک میں بیٹھے ہُوئے دیکھنا چاہتا
ہے۔ مگر ٹرک تو کئی میل آگے نکل گیا تھا۔

سفید ایال والا سمبا

ٹوکی خوف اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہُوئے
اِدھر اُدھر پھر رہا تھا جیسے اُسے یقین نہ آ رہا ہو کہ
اسی جگہ کیمپ لگا ہُوا تھا۔ جس جگہ خیمے لگے تھے
وہاں گھاس کے پیلے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ اور
ٹوکی بار بار وہاں چکّر کاٹ رہا تھا۔ آخر وہ الاؤ کی
راکھ کے ڈھیر کے پاس آ کھڑا ہُوا اور دُور پھیلے
ہُوئے میدان پر نگاہیں دوڑانے لگا۔

فضا بالکل خاموش تھی۔ ہوا کے ہلکے جھونکوں
کے سوا کوئی چیز حرکت کرتی دکھائی نہیں دیتی
تھی۔ ٹوکی دم سادھے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور
اُسے یُوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ
رہا ہے۔ ورنہ یہ سچ مچ تو نہیں ہو سکتا کہ کیمپ
والے اُسے یُوں اس خوفناک جنگل میں اکیلا چھوڑ کر

چلے گئے۔ کوئی تو اُس کے لیے پیچھے ضرور رہ جاتا
لیکن یہ خیال زیادہ دیر اُسے دھوکا نہ دے سکا۔ اُسے
ماننا پڑا کہ وہ سچ مچ اکیلا رہ گیا ہے۔ اور قافلہ اُسے
اکیلا چھوڑ کر کہیں آگے چل دیا ہے۔ وہ خوف سے
لرز کر رہ گیا۔ ایک بار پھر جھوٹی اُمید نے اُسے
سہارا دیا۔ اور وہ سوچنے لگا "وہ لوگ ضرور میرے
لیے کسی کو چھوڑ گئے ہوں گے۔"

"عبدُل، عبدُل" وہ زور زور سے پکارنے لگا۔
مگر اُس کی اپنی آواز کی گونج کے سوا کوئی جواب نہ
ملا۔ اب اُس نے نا اُمید ہو کر سوچنا شروع کیا کہ
اُسے کیا کرنا چاہیے۔ گاڑیوں کے پہیوں کے نشان
لمبی لکیروں کی صُورت میں کہیں سیدھے چلے گئے
تھے تو کہیں ایک دُوسرے کو کاٹتے ہُوئے گھاس کے
ٹکڑوں میں گم ہو گئے تھے۔ ٹوکی نے تازہ نشانوں
کو پہچان کر اُن کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا
وہ اِس ترکیب سے قافلے کا تعاقب کرنا چاہتا تھا
اور اُسے یقین تھا کہ جیسے ہی اس کی غیر موجودگی
کا پتا چلا وہ لوگ ضرور اسے تلاش کرتے ہُوئے
واپس آئیں گے۔

یہ سوچ کر وہ پُوری رفتار سے پہیوں کے
نشانات کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ لیکن جہاں کہیں
گھاس زیادہ لمبی ہوتی اور سرسبز قطعہ دُور تک
پھیلا ہُوا ہوتا وہاں اُسے بہت دقت پیش آتی۔
مگر اِتفاقاً ایسی جگہ پر اُسے اور سُراغ مل جاتے
مثلاً کہیں جیپ کسی جانور کے بِل پر سے گزری
تو وہاں گھاس دب کر اندر کو گھس گئی تھی کہیں
شکاری لڑکوں میں سے کسی نے کیلے کا چھلکا یا
سگریٹ کی خالی ڈبیا پھینکی تھی۔ ایک جگہ جیپ اور
شکاری گاڑی کے نشان ٹرک کے نشانوں سے
الگ الگ راستوں پر ہو گئے تھے۔

یہ دیکھ کر ٹوکی ایک بار پھر نا اُمید ہو گیا۔ اس
کا مطلب تھا شکاری قافلہ دو حصّوں میں اور دو
راستوں سے روانہ ہُوا ہے۔ اُنھیں ٹوکی کی غیر موجودگی
اس وقت معلوم ہو گی جب خاصی رات گئے وہ
ایک کیمپ میں اکٹھے ہوں گے۔ جیپ والے سمجھتے
ہُوں گے کہ ٹوکی ٹرک میں سوار ہوا ہے اور ٹرک
والے خیال کرتے ہوں گے کہ وہ جیپ میں بیٹھ گیا
ہو گا۔ بہت رات گئے جب پتا چلا کہ وہ ساتھ

نہیں آیا تو کون اُسے ڈھونڈنے نکلے گا؟ کوئی بھی نہیں۔ ایسی ہی باتیں سوچتے سوچتے ٹوکی کا خُون خُشک ہونے لگا۔ اگر اُسے یُونہی جنگل میں اکیلے پھرتے رات ہوگئی تو کیا ہوگا ——؟

جہاں جنگل زیادہ گھنا اور تاریک ہو جاتا، ٹوکی دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل زمین پر جُھک کر پہیّوں کے نشان ڈھونڈتا۔ کسی کسی جگہ تو دُور دُور تک اُن کا کوئی سُراغ نہ ملتا۔ یُوں لگتا جیسے وہ آگے بڑھے ہی نہیں اور یہ پُر اسرار زمین اُنھیں نگل گئی ہے۔ لیکن پھر درخت کی ٹوٹی ہُوئی شاخ پتا دیتی کہ سڑک اس طرف سے گزرتے ہوئے اپنی یہ نشانی چھوڑ گیا ہے۔ جہاں کیکر کے درخت بہت گھنے اور راستے پر جُھکے ہوئے تھے وہاں دُور تک تازہ ٹوٹے ہوئے پتّے بکھرے پڑے تھے جو ٹوکی کے لیے رہنمائی کا اچھا ذریعہ ثابت ہوئے۔ بہت دُور تک وہ اِنھیں پتّوں کو گھاس کے سبز فرش پر دیکھ دیکھ کر آگے بڑھتا گیا۔

ڈیڑھ دو میل اس طرح چلنے کے بعد وہ ایک ایسے گھنے ذخیرے میں پہنچا جہاں درختوں کی شاخیں

آپس میں اِس طرح گُتھی ہُوئی تھیں کہ سُورج کی کرنیں اُن میں سے چھن نہ سکتی تھیں۔ بڑی خوشگوار خنکی تھی۔ خاموشی اور سکُون کی یہ فضا تھکے ہُوئے مسافر کو خواہ مخواہ آرام پر مائل کرتی تھی۔ ٹوکی کا جی چاہا کہ وہ کسی گھنے کُنج میں پڑ کر سو جائے۔ وہ تھکا ہُوا اور بھُوکا تھا۔ اُس کی ننگی پنڈلیوں پر بے شمار خراشیں تھیں جن میں سے خُون بہہ کر جم گیا تھا۔ وہ بے اختیار اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کسی درخت کے نیچے لیٹ رہے۔ مگر یہ خواہش پیدا ہوتے ہی مٹ گئی۔ کسی غیبی طاقت نے اُسے خبردار کیا کہ ایسی خاموشی جنگل کے بدترین خطروں کو اپنے دامن میں چھُپائے ہوتی ہے۔ کیا خبر کوئی بھیڑیا یا چیتا کسی جھاڑی کے پیچھے گھات لگائے بیٹھا ہو اور اُس پر حملہ کرنے کو تیّار ہو۔ یہ سوچ کر اُس نے آرام کا ارادہ ترک کر دیا اور سُست ہوتی ہوئی طبیعت پر قابُو پانے کے لیے کسی گیت کی دُھن گُنگنانے لگا۔ لیکن ایک دم کسی غیر معمولی ہلچل نے اُسے چونکا دیا۔ کہیں دُور گھاس میں سرسراہٹ پیدا ہُوئی تھی جس سے وہ چونکا۔ کئی

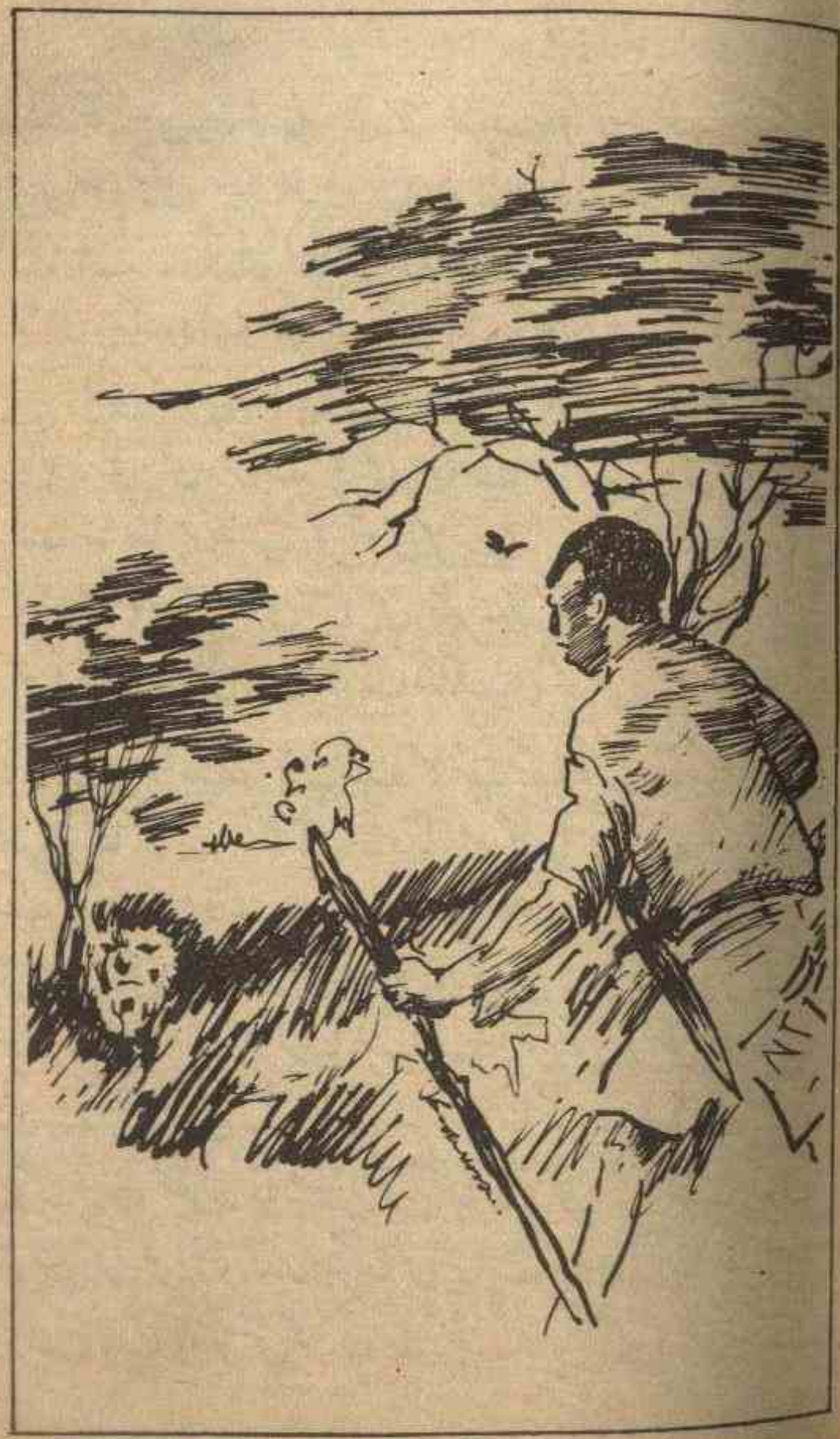

گز کے فاصلے پر لمبی لمبی گھاس خود بخود پھٹ گئی تھی۔

ٹوکی بے اختیار چند قدم آگے بڑھ گیا اور آنکھوں کے گوشے سکیڑ کر غور سے دیکھنے لگا کہ یہ کیا چیز ہے جس کی حرکت سے گھاس کے درمیان راستہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس جھٹپٹے میں اُس نے ایک پرچھائیں سی دیکھی مگر اُسے شبہ ہوا کہ شاید وہ صِرف پتوں کے سائے اور گھاس کے لہرانے سے پیدا ہونے والی کوئی خیالی صُورت ہے جو ابھی غائب ہو جائے گی۔ مگر اس کی اُلجھن بڑھنے لگی۔ وہ اُسی مقام پر نظریں جمائے آہستہ آہستہ آگے بڑھا جس جگہ کسی چیز نے حرکت کی تھی۔ وہاں گھاس ابھی تک ہل رہی تھی۔ ٹوکی کی خوف زدہ نظریں وہیں جمی تھیں۔

ایک دم اُسے اپنا سانس رکتا ہُوا محسوس ہُوا اُسے گھاس کے اُوپر ایک چہرہ نظر آیا تھا ــــ "سِمبا" ٹوکی نے دہشت زدہ سی آواز میں اپنے آپ سے سرگوشی کی اور پتھرا کر وہیں کھڑا رہ گیا۔ وہ نہ ہل سکتا تھا نہ سانس لے سکتا تھا۔ مارے دہشت

کے آنکھیں پھاڑے سامنے کھڑے ہُوئے شیر کو دیکھتا جا رہا تھا۔ لیکن شیر کا مُنھ دُوسری طرف تھا اس کی نگاہ ٹوکی پر نہیں پڑی۔ ٹوکی کو اُس کی ایال میں چاندی کے تاروں جیسی چمک دار سفید لٹیں نظر آ رہی تھیں۔

ٹوکی کو اپنے باپ کی یہ بات اچھی طرح یاد تھی کہ جنگلی جانور ہلکی سی حرکت کو بھی بھانپ لیتا ہے۔ اگر کسی درندے سے سامنا ہو جائے تو آدمی کو چاہیئے کہ اپنی جگہ پر چُپ چاپ کھڑا ہو جائے۔ اسی اثنا میں شیر نے ایک دم چوکنا ہو کر سر اُٹھایا اور ہلکی سی چھلانگ لگا کر لمبی گھاس سے باہر نکل آیا۔

ٹوکی سر سے پاؤں تک کانپ گیا اُس نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ شیر اِتنا بڑا ہوتا ہو گا۔ اُس نے جھُرجھُری لے کر ایک دو بار اپنے دائیں بائیں دیکھا جیسے کسی غیبی مدد کی اُمّید ہو مگر فوراً ہی تیزی سے پلٹا اور بگ ٹُٹ دوڑنا شروع کر دیا۔ جب تک اُس کی ٹانگیں جواب نہ دے گئیں اُس نے رفتار کم نہ کی۔ آخر جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ محفوظ فاصلے پر پہنچ گیا ہے تو ایک چٹان کی چھاؤں میں گھنی اور سبز گھاس پر لیٹ گیا اور اپنا سانس دُرست کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب اُس کے ذہن پر سے

دہشت کچھ کم ہُوئی تو وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"تو اس کے بارے میں چھوٹے قصّے مشہور نہیں۔ سفید ایال والا سمبا سچ مچ موجود ہے۔ اور صرف میں نے اسے اتنے قریب سے دیکھا ہے۔ صرف میں جانتا ہوں کہ وہ کس جگہ ہے۔"

ٹوکی بہت دیر تک وہیں لیٹا رہا اور سوچتا رہا کہ اُسے شکاری قافلے کو ڈھونڈنا چاہیے۔ وہ اٹھ کھڑا ہُوا لیکن جب اُس نے اپنے ارد گرد دیکھا تو اُسے اندازہ ہُوا کہ وہ اصلی راستے سے کٹ کر جنگل میں بہت دُور نکل آیا ہے۔

اب وہ سچ مچ راستہ بھُول کر اِس خوفناک جنگل میں کھو گیا تھا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی اور اُسے اپنی منزل کا کچھ پتا نہ تھا۔ وہ جس طرف مُنھ اُٹھا چل پڑا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ آخر کہیں بستی کے آثار نظر آئیں گے۔

وہ چلتا گیا۔ بھوک اور پیاس کے مارے نڈھال تھا۔ حلق خشک ہو گیا۔ ٹانگیں شل ہُوئی جاتی تھیں۔ زخمی پیروں اور پنڈلیوں سے خُون بہہ رہا تھا۔ لیکن وہ ان جانی منزل کی طرف چلا جا رہا تھا آخر تیسرے

پہر کے قریب وہ ایک چٹان کے اوپر چڑھ کر دیکھنے لگا کہ شاید
کسی آبادی کا نشان دکھائی دے۔ چٹان کے اُس طرف ہرے
بھرے میدان میں زیبروں کا ایک بہت بڑا گلا چر رہا تھا۔ اِن
کے قریب ہی ایک بہت بڑا نوکیلے سینگوں والا ہرن کھڑا تھا
جس کا جسم دھوپ میں یوں چمک رہا تھا جیسے پالش کیا ہوا تانبا
اُس نے جونہی ٹوکی کو چٹان پر کھڑے دیکھا ایک دم بدک کر بھاگ کھڑا ہوا

تھوڑی دیر کے لیے ٹوکی اپنی ساری مصیبتیں
بھول گیا۔ ہرن کے سُبک رفتاری کے ساتھ دوڑنے
کا منظر، اُس کے لمبے لمبے نوکیلے اور شاندار سینگ
اُس کا چمکیلا جسم، ٹوکی اِس میں کھو کر رہ گیا۔ اور
جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا اُسے دیکھتا
ہی رہا۔ اس کے بعد آنکھوں پر ہاتھ سے اوٹ
کر کے وہ سامنے پھیلے ہوئے میدانوں کو غور سے
دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کے سیدھے ہاتھ
ایک اُونچی چٹان تھی جس میں بہت سی کھائیاں
بنی ہوئی تھیں اور اُس نے میدان کا آدھا منظر چھپا
رکھا تھا۔ اور جو حصّہ نظر آتا تھا وہ آہستہ آہستہ
ڈھلان کے ساتھ دُور پھیلی ہوئی وادی میں غائب
ہو گیا تھا۔ اِس میدان کی ڈھلان پر جگہ جگہ کالے

کالے نُقطے جیسے پھیلے ہُوئے نظر آتے تھے اِن
نقطوں کے بار بار حرکت کرنے سے ٹوکی نے اندازہ
لگایا کہ یہ چوپائے ہیں جو گھاس چرتے چرتے اِدھر
اُدھر آجا رہے ہیں۔ اُس نے سوچا یہ جنگلی جانور ہوں گے
لیکن تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ ایک جگہ جمع ہو کر
ریوڑ کی صُورت میں ایک طرف چل پڑے۔ اس کے
بعد گھوڑے کی ہنہناہٹ کی دھیمی سی گونج سُنائی
دی۔ ریوڑ کے پیچھے پیچھے تین نقطے جیسے بڑھتے
نظر آئے۔

ٹوکی کے دل میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ مسائی
قبیلے کے لوگ ہیں جو اپنے مویشیوں کے ریوڑ کے
ساتھ اِس علاقے میں ڈیرے ڈالے بیٹھے ہیں۔
یہ سوچ کر ٹوکی مارے خوشی کے اُچھل پڑا۔ اُسے
یقین تھا کہ مسائی ضرور راستہ تلاش کرنے میں اُس کی
مدد کریں گے۔ کیونکہ یہ جنگل اُن کے دیکھے بھالے
تھے۔ وہ تازہ دم ہو کر نئی قوّت کے ساتھ پھر اپنی
مُہم پر چل پڑا۔ اُس کا رُخ مسائی قبیلے کے ڈیرے
کی طرف تھا۔

مسائی قبیلے میں

جب مسائی گلّہ بانوں نے ایک اجنبی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ اپنے مویشیوں کو چھوڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ ٹوکی اُن کے قریب پہنچتے ہی بُلند آواز سے کہنے لگا:

"جیمبو!"

مگر تینوں آدمی چُپ چاپ اُس کی طرف دیکھتے رہے جیسے اُنھوں نے سُنا ہی نہ ہو۔ وہ خُوب لمبے تڑنگے تھے اور اُن کے چوڑے چوڑے مضبُوط شانوں پر گیروے رنگ کے لمبے لمبے چُغے لٹکے ہُوئے تھے۔ اُن کے جسم سے گھی کی تیز بساندھ اُٹھ رہی تھی جو وہ لوگ مسائی قبیلے کی رسم کے مُطابق ملتے تھے۔

"جیمبو!" ٹوکی نے قریب پہنچ کر دوبارہ بُلند آواز

سے کہا۔ مگر اُس کے سلام کا جواب دینے کے بجائے وہ اب بھی چُپ چاپ اُسے گھور رہے تھے

ٹوکی کچھ گھبرایا تو سہی مگر اپنے آپ پر قابُو پاتے ہُوئے اُس نے کہا:

بڑے اچھے مویشی ہیں آپ لوگوں کے پاس۔"
اُس نے دوستی پیدا کرنے کے لیے اُن کے
چوپایوں کی تعریف بھی کر ڈالی لیکن وہ تھے کہ بُت
بنے کھڑے تھے۔ ٹوکی نے اندازہ لگایا کہ وہ اُس کی
زبان نہیں سمجھتے۔

"اہے۔" اچانک ایک آدمی نے زور سے کہا
اور پھر اپنا کندھا کھجانے لگا۔

"اہے۔" دُوسرے نے بھی وہی بے معنی کلمہ دوہرایا
اور لمبی سی جمائی لی۔ یہ بے معنی کلمہ مسائی لوگوں
کا تکیہ کلام تھا۔ بات کرنے میں وہ لوگ اسے بار
بار زبان پر لاتے تھے۔ انھیں اب بھی خاموش
دیکھ کر ٹوکی کھسیانا ہوگیا۔ اُسے غصّہ بھی بہت آیا
کہ وہ اُس کی زبان نہ سمجھتے ہوں پھر بھی اِشاروں ہی
سے کچھ جواب دیتے۔ مُصیبت یہ تھی کہ اُسے ان لوگوں
کی مدد کی ضرورت تھی۔ وہ خفگی ظاہر کر کے ان
سے بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اب اِسے خیال آیا کہ کسی طریقے سے اُنھیں
بتائے کہ اُس نے سُفید بالوں والے شیر کو دیکھا ہے
اُسے معلوم تھا کہ مسائی زبان میں شیر کو کیا کہتے ہیں

اور جیسے ہی اُس کی زبان سے یہ لفظ نکلا اُسے
یُوں لگا جیسے اُن لوگوں کی شکل ہی بدل گئی۔ ان کی
آنکھیں چمک اُٹھیں اور وہ اپنی زبان میں پٹر پٹر باتیں
کرنے لگے۔ پھر اُن میں سے ایک آگے بڑھا اور
کرخت لہجے میں کچھ پوچھا لیکن بے چارہ ٹوکی خاک
نہ سمجھا اور کسمسا کر رہ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر اُس نے
ہاتھ اُٹھا کر اس طرف اشارہ کیا جس طرف سے آیا
تھا اور پھر مسائی زبان میں شیر کا لفظ دوہرایا۔

"مجھے اپنے 'بوما' میں لے چلو۔" ٹوکی نے ہاتھ کے
اِشارے سے مسائیوں کے جھونپڑے کی تصویر بناتے
ہُوئے کہا۔ وہ اُس کا مطلب سمجھ گئے اور آپس میں
باتیں کرنے لگے جیسے صلاح و مشورہ کر رہے ہوں
اور پھر اُنھوں نے ٹوکی کو اپنے ساتھ آنے کا اِشارہ
کیا۔

کچھ دیر چلنے کے بعد وہ ڈیرے پر پہنچ گئے۔ یہاں
ایک دائرے میں کوئی بیس کے قریب بڑے بڑے
جھونپڑے تھے جو مٹّی اور گوبر سے بنائے گئے تھے ان
کے گرد بہت گھنی اور اُونچی باڑ بنی ہُوئی تھی تاکہ جنگلی
جانور داخل نہ ہوسکیں۔ ان جھونپڑوں کے اُوپر جنھیں

وہ لوگ اپنی زبان میں "بوما" کہتے تھے، اس قدر مکھیاں بھنک رہی تھیں کہ جب وہ اُڑتیں تو فضا تاریک ہوجاتی۔ وہ لوگ رات کے وقت اپنے مویشیوں کو بھی حفاظت کے لیے اپنے ساتھ ہی ان گنبد نما جھونپڑوں میں بند کرلیا کرتے تھے۔

مُنڈے ہُوئے سروں والی مسائی عورتیں گیروے رنگ کے لمبے لمبے کُرتے پہنے باڑھ کے باہر اِدھر اُدھر کام کاج میں مصروف تھیں۔ ایک اجنبی کو آتے دیکھ کر بعض نے شرم کے مارے مُنھ چُھپا لیا، بعض ہنسنے لگیں۔ اور جو ذرا کم شرمیلی تھیں وہ ٹوکی کے گرد جمع ہوگئیں اور مسائی چھوکروں سے اُس کے بارے میں پُوچھنے لگیں۔

اچانک پھر عورتوں کی باریک آوازوں کے درمیان ایک بھاری آواز گُونجی جسے سُن کر سب چُپ ہوگئے۔ عورتوں کا جمگھٹا چھٹ گیا تو ٹوکی نے دیکھا کہ ایک اُونچے قد کا نوجوان مسائی ہاتھ میں بڑا سا لٹھ پکڑے ہُوئے چلا آرہا ہے۔ ٹوکی کو دیکھ کر اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ آگئی۔ وہ بڑی شان سے آگے بڑھا اور ٹوکی کے سامنے بھالے کی طرح بالکل

سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"جیمبو!"

اس نے ٹوکی سے کہا اور دونوں لڑکوں نے آپس میں ہتھیلیاں ملا کر ایک دُوسرے کو سلام کیا یہ معلوم کر کے ٹوکی کو بے حد خوشی ہُوئی کہ یہ لڑکا اُس کی زبان اچھی طرح بول سکتا تھا۔ اس کا نام "نیادا" تھا اور اُس کا باپ قبیلے کا سردار تھا۔ ٹوکی نے جلدی جلدی اپنی کہانی کہہ سنائی۔ نیادا چُپ چاپ سُنتا رہا مگر جیسے ہی ٹوکی نے شیر کا ذکر کیا اس کی بادام جیسی لمبی لمبی آنکھیں مارے حیرت کے اور بھی کھل گئیں۔ وہ اِس سے سوال پر سوال پوچھنے لگا۔ ارد گرد کھڑے ہوئے لوگ بھی سمٹ کر اُن کے پاس آگئے اور ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

"اچھا، تو وہ واپس آگیا ہے؟ مجھے اپنے بابا کو بتانا چاہیئے۔ مگر پہلے تم کچھ کھا پی لو میرے دوست صُبح سے بھوکے ہو۔ اور پیدل اِتنا لمبا سفر کر کے آئے ہو۔" نیادا کہنے لگا۔

پھر اُس نے قریب کھڑی ہُوئی ایک عورت سے کچھ کہا۔ وہ اپنے لمبے اور غلیظ کُرتے کو ہلکورے

دیتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک جھونپڑے میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک بہت بڑا پیالہ جس کے اُوپر موتیوں اور کوڑیوں سے جڑا ہُوا ڈھکنا تھا، لے کر ٹوکی کے پاس آئی۔ ٹوکی نے ڈھکنا اُٹھایا تو پیالے میں گرم گرم دُودھ تھا۔ ٹوکی نے شکریے کی نظروں سے عورت اور نیادا کی طرف دیکھا اور پھر میٹھا اور مزیدار دُودھ مزے لے لے کر پینے لگا۔

نیادا شیر کے متعلق ٹوکی سے اور بھی سوالات کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُسے لے کر باڑھ سے باہر ایک درخت کے نیچے آبیٹھا۔ یہاں مکھیوں کی بھنکار اور بکریوں کی منمناہٹ کا شور نہیں تھا۔ ٹوکی کی ٹانگیں درد کر رہی تھیں۔ اب آرام کرنے کا موقع ملا تو اُس نے شکر کیا۔ وہ نیادا کے سامنے گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ نیادا نے اپنا بھالا زمین پر رکھ دیا اور چغہ گھٹنوں پر لپیٹ کر ٹوکی کی کہانی ایک بار پھر سننے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ ٹوکی نے نئے سرے سے سارے واقعات کو دوہرایا اور بتایا کہ کس طرح سفید ایال والا سمبا، اچانک لمبی گھاس میں سے نمودار ہُوا تھا۔ پھر کس طرح وہ ایک دم چونک کر اُس کی طرف دیکھنے

لگا تھا۔ اس کے چہرے پر رُعب کے ساتھ ساتھ ایسی معصومیت تھی کہ ڈرنے کے بجائے اُسے پیار کرنے کو جی چاہتا تھا۔

ٹوکی کی باتیں سُن کر نیادا دلچسپی اور جوش کا اظہار کرتا رہا۔ اس نے کہا۔

"اہے.... لیکن میرے دوست یہ تو اچھا نہ ہُوا جس جگہ تم نے سمبا کو دیکھا اُس کے قریب ہی تو بڑے ٹرک والے انگریز شکاری کا کیمپ ہے۔ وہ اب بھی اُس کی تلاش میں پھر رہا ہے۔ ہم لوگوں کو یہ تسلی تھی کہ سمبا اس جنگل میں موجود نہیں۔ وہ کئی سال پہلے جنوبی جنگلوں کی طرف نکل گیا تھا۔"

ٹوکی اُس کی طرف آنکھیں پھاڑے ہُوئے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا تو کیا تم نے پائک صاحب کے قافلے کو دیکھا ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟" خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

مسائی نوجوان نے سر ہلا کر ہاں کہا۔

"آج صبح دن چڑھتے ہی تین گاڑیاں اِس طرف سے گزر کر گئی ہیں۔ اور اب اُن کے خیمے "باناگی" کے

قریب لگے ہُوئے ہیں۔ وہ بندُوق لیے اُسی جنگل میں پھر رہے ہیں۔ جہاں تم نے سِمبا کو دیکھا تھا۔" نیادا نے بتایا۔

"کیا تم مجھے اُن خیموں تک پہنچا سکتے ہو؟ مجھے اُن لوگوں کے پاس جلد پہنچنا چاہیے کیونکہ شام ہونے کو ہے۔" ٹوکی نے کہا۔

"کچھ دیر اور آرام کرلو تو میں تمھیں راستہ دکھا دوں گا" نیادا نے شک کی نظروں سے ٹوکی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ٹوکی نے کچھ حیران ہوکر اُس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" اُس نے پُوچھا۔

"خبر نہیں تم میری بات مانوگے بھی یا نہیں... خیر، میں کہنے کو تھا کہ ایک بات میں ہمیں بھی تمھاری مدد کی ضرُورت ہے۔ جب تم واپس اپنے کیمپ میں پہنچو تو پائک سے کہنا اس شیر کا پیچھا چھوڑ دے۔ شکار کے لیے کیا اور تھوڑے جانور ہیں جنگل میں۔ اب خُدا کرے تم وقت پر پہنچ جاؤ۔ کہیں....."

وہ کچھ کہتے کہتے چُپ ہوگیا۔ ٹوکی نے لمبا سانس کھینچا اور سوچنے لگا کہ نیادا کو کیا معلوم کہ وہ اس سے

کیسی اِن ہونی فرمائش کر رہا ہے۔

"مسائی اس شیر کی اس قدر حفاظت کیوں کرتے ہیں؟ میں نے تو سُنا تھا کہ آپ لوگ شیر کے بہت اچھے شکاری ہیں۔"

ٹوکی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"یہ کوئی عام شیر نہیں ہے، میرے دوست۔ مسائی لوگوں کا خیال ہے کہ چاند کی رُوح اِس کے سفید ایال میں سو رہی ہے۔ اور یہ دیوتاؤں سے ہمارے مویشیوں کے لیے سفارش کرتا ہے۔ جب وہ ہمارے علاقے میں واپس آتا ہے تو ہمارے مویشی پھلتے پھُولتے ہیں۔ مسائی نہیں چاہتے کہ اس شیر کو کوئی نقصان پہنچے۔"

ٹوکی حیران سا ہوکر نیادا کی باتیں سُنتا رہا۔ اُس کے دل میں آئی کہ اِس سے پُوچھے، کیا وہ سچ مُچ ان مسائی کہانیوں پر یقین رکھتا ہے؟ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ یہ سوال مُناسب نہیں۔ وہ چُپ ہو رہا۔

"مسائی لوگوں کا خیال تھا کہ دُنیا کی کوئی طاقت اِس شیر کو گزند نہیں پہنچا سکتی۔ مگر اِن باہر سے آنے والے بدبخت شکاریوں کی بندوقیں بُہت ہی طاقتور ہیں۔ وہ

سمبا تک کو مار سکتی ہیں۔"

نیادا غمگین لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اُس کی باتیں سُن کر ٹوکی کو اِس بات پر شرم محسوس ہونے لگی کہ وہ اُس انگریز شکاری کے قافلے سے تعلّق رکھتا ہے۔ وہ اُس کے متعلّق نیادا سے کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ اُس نے ایک دم چوکنّا ہو کر سامنے دیکھا اور اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی نظریں سامنے میدان میں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" ٹوکی نے بھی جلدی سے اُٹھتے ہُوئے پوچھا۔

نیادا نے سامنے کی طرف اِشارہ کیا۔ جہاں ایک مسائی دوڑا چلا آ رہا تھا۔

"ضرور کوئی خاص بات ہُوئی ہے۔" نیادا نے مُنہ میں بڑبڑا کر اپنے آپ سے کہا۔

وہ آدمی قریب پہنچا تو اُس نے گھبراہٹ میں جلدی جلدی نیادا کو کچھ بتایا۔ وہ مسائی زبان میں بات کر رہا تھا اس لیے ٹوکی کو کچھ پتا نہ چلا مگر اُس کی گھبراہٹ اور نیادا کی پریشانی سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی اچھّی خبر لے کر نہیں آیا۔ نیادا نے آنے والے سے

کئی سوال کیے اور وہ جواب دیتا رہا۔ ٹوکی نے سوچا کاش وہ مسائی زبان سمجھ سکتا۔ اُس نے پُوچھنے کی بھی کوشش کی لیکن نیادا تو جیسے بھُول ہی گیا تھا کہ ٹوکی وہاں مُوجود ہے۔ وہ ایک دم مُڑا اور جھونپڑوں کی طرف چل دیا خبر لے کر آنے والا مسائی اُس کے ساتھ ہو لیا۔ ٹوکی بھی اُن کے پیچھے چلا تا کہ معلوم کرے کہ کیا ہُوا ہے۔

ٹوکی کے دیکھتے ہی دیکھتے نیادا ایک جھونپڑے کے اندر چلا گیا اور دُوسرے آدمی کو جو دیکھنے میں گڈریا معلوم ہوتا تھا، لوگوں نے گھیر لیا۔ وہ بڑے جوش سے اشارے کر کر کے وہی قصّہ دُہرا رہا تھا۔ ہجُوم میں جوش اور پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے۔ ہر شخص ایک دُوسرے سے کچھ کہہ رہا تھا۔ بڑوں میں غیر معمولی ہل چل کو محسوس کرتے ہُوئے بچّے چلّا چلّا کر رونے لگے۔ کسی کو ٹوکی کا خیال نہ رہا۔ آخر نیادا باہر نکلا۔ وہ چند بڑے بُوڑھوں سے بڑی سنجیدگی سے باتیں کر رہا تھا۔ اُن میں سے ایک نیادا کا باپ تھا۔ ٹوکی آہستہ آہستہ چلتا اُس گروہ میں پہنچ گیا۔

"کیا ہُوا؟" اُس نے ہمّت کر کے پُوچھ ہی لیا۔

نیادا نے رنجیدہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھ
اور بولا "وہی ہُوا جس کا ہمیں دھڑکا لگا ہُوا تھا
وہ شِکاری جس کے ساتھ تم سفر کر رہے ہو، سمبا
کے پیچھے اس علاقے میں آپہنچا ہے۔ اِس گڈریے
نے جنگل میں گولیاں چلنے کی آواز سُنی اور ساتھ
ہی شیر کی گرج سُن کر اس نے جان لیا کہ سمبا زخمی
ہوگیا ہے۔"

ٹوکی نے بے اِختیار آہ بھری۔ اُس کی نظروں
کے سامنے سمبا کا معصُوم چہرہ پھر گیا۔

"تو..... تو کیا سمبا مر گیا؟" اُس نے پُوچھا

"اس کے متعلّق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہوسکتا ہے
وہ صِرف زخمی ہُوا ہو۔ یا ہوسکتا ہے زخمی بھی نہ ہُوا
ہو صرف غُصّے سے گرجا ہو۔" نیادا نے جواب دیا۔

"پھر اب تُم لوگ کیا کرو گے؟" اس خبر سے خود
ٹوکی کے حواس گُم ہوگئے تھے اور اُسے اپنی آواز کہیں
دُور سے آتی ہُوئی سُنائی دے رہی تھی۔

نیادا نے ٹوکی کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور
سر ہلاتے ہُوئے بولا ——— "یہ ابھی کسی کو معلوم
نہیں۔ دیکھیں بڑے بُوڑھے کیا کہتے ہیں۔ وہ رُوحوں

سے بات کر کے فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا
چاہیے۔"

ٹوکی نے سوچا کہ اُسے جلد از جلد اپنے قافلے
کو ڈھونڈنا چاہیے۔ کیونکہ مسائی لوگ جوش میں بھر گئے
تھے اور ہر شخص کو معلوم ہوگیا تھا کہ ٹوکی اُس شِکاری
کا ساتھی ہے، جس کے ہاتھوں اُن پر یہ مصیبت نازل
ہُوئی ہے۔ جس طرف بھی اُس کی نگاہ اُٹھتی باداموں جیسی
لمبی لمبی کالی آنکھیں اُسے گھور رہی ہوتیں۔ اُس نے
اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی پچھلے پہر کی دُھوپ میں سائے
لمبے ہوچکے تھے۔

"نیادا، مجھے جلدی چلے جانا چاہیے۔ پہلے ہی بہت
دیر ہوچکی ہے۔ کیا تم مجھے راستہ دکھا دو گے؟" ٹوکی
نے منّت سے کہا۔ نیادا اُسے ایک طرف لے گیا
اور بولا۔

"اب تمھارے لیے جانا خطرناک ہے میرے
دوست۔ اگر وہ منحُوس واقعہ ہوچکا ہے..... یعنی
سمبا زخمی ہوگیا ہے تو اُس کے قہر اور غضب سے
آج رات سارا جنگل پناہ مانگے گا۔ میری مانو تو آج
یہیں رہ جاؤ۔"

ٹوکی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اُسے اپنی وہ حالت یاد آگئی جو دوپہر کو سمبا کا سامنا ہونے پر ہُوئی تھی۔ اور پھر اب تو وہ زخمی ہو کر غصّے میں بھرا بیٹھا ہوگا۔ مگر اُس کا یہ خوف وقتی تھا جس پر اُس نے فوراً ہی قابو پالیا اور سوچا کہ یہاں رہ جانے پر خبر نہیں اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت پیش آئے۔

"تمھاری مہربانی کا شکریہ۔ مگر مجھے جانے ہی دو" اُس نے منّت سے کہا۔

"اچھا، اگر تمھاری یہی مرضی ہے تو میں تمھیں راستہ پر ڈال آتا ہوں۔ مگر تمھارے ساتھ زیادہ دُور تک نہ جا سکوں گا کیونکہ اس وقت میں اپنے گھر والوں سے زیادہ دیر الگ نہیں رہ سکتا۔ کیا خبر کس وقت کیا ہو جائے۔ تم مجھ سے ناراض نہ ہونا بھائی۔"

نیادا ٹوکی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ کافی دُور تک وہ گھنے جھاڑ جھنکاڑ میں چلتے رہے۔ اور پھر دریا کے کنارے آپہنچے۔ اس جگہ پانی بُہت کم گہرا تھا۔ اس سے آگے چل کر سامنے اُونچے اُونچے درختوں والا گھنا جنگل تھا۔

"دریا کے ساتھ ساتھ چلے جاؤ۔ جب تم اُس جگہ پہنچو گے جہاں ٹرک کے پہیّوں کے گہرے گہرے نشان ہیں تو وہاں سے دریا پار کر لینا۔ وہاں پانی کم گہرا ہے اور پاٹ بھی کچھ زیادہ چوڑا نہیں۔" نیادا اُسے سمجھا رہا تھا۔

"اچھا، خُدا حافظ نیادا۔ مجھے جلدی راستہ طے کر لینا چاہیئے۔ شام ہو رہی ہے۔" ٹوکی نے کہا۔

"خُدا حافظ میرے دوست..... ذرا دیکھ بھال کر چلنا۔ بس جلدی سے روانہ ہو جاؤ اب۔" نیادا نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر اپنی لاٹھی اُس کے ہاتھ میں تھما دی۔ "یہ اپنے پاس رکھو۔ شاید راستے میں تمھیں اس کی ضرورت پڑے۔"

نیادا نے جلدی جلدی کہا اور پھر واپس مُڑ کر اپنے ڈیرے کی طرف چل دیا۔ ٹوکی وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا نیادا نے دوڑ لگا دی اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ جب درختوں میں سے اُس کے گیروے لبادے کی جھلک بھی دکھائی نہ دی تو ٹوکی نے بھی اپنا راستہ لیا۔

عجیب و غریب لڑائی

ٹوکی دریا کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ پانی کی دھیمی دھیمی قلقل پرندوں کی چہچہاہٹ اور بندروں کی کلکاریوں میں مل کر عجیب سی لگ رہی تھی۔ دریا کے کنارے پر انگور کی گھنی بیلوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اُوپر درختوں کی لمبی لمبی شاخیں پانی میں ڈوبی ہُوئی تھیں ٹوکی اس قدرتی سائبان کے نیچے چلنے لگا۔ اُس کے ہاتھ میں نیادا کا بھالا تھا۔ اُسے اپنے گھر کے آس پاس پھرنے والے وہ مسائی چھوکرے یاد آگئے جو ایسے ہی چھوٹے چھوٹے بھالے پکڑے ہُوئے خیالی درندوں پر حملے کی مشق کیا کرتے تھے۔ ٹوکی کو اپنے ہاتھ میں یہ مسائی کا بھالا عجیب سا لگ رہا تھا۔ لیکن پھر اُس نے سوچا ممکن ہے کسی وقت یہ ہتھیار اُس کی جان کا محافظ ثابت ہو۔ وہ اسے پھینکنے کی مشق کرنے لگا

اس نے ایک گھنی جھاڑی کا نشانہ بنایا تو اُس میں سے ایک ہرن کا بچّہ نکل کر سرپٹ بھاگ نکلا اُس نے بھالا اُٹھا لیا اور جلدی جلدی قدم اُٹھانے لگا۔

درختوں کی چوٹیوں پر دُھوپ سُرخی مائل ہوگئی تھی۔ دریا میں اُن کے عکس کو دیکھ کر ٹوکی نے اندازہ لگایا کہ شام ہوا چاہتی ہے۔ اُس نے اپنی رفتار اور بھی تیز کر دی۔ مگر وہ راستے کی ہر جھاڑی اور ٹیلے کو غور سے دیکھتا جاتا تھا۔

جنگل خاموش اور پُر سکون نظر آتا تھا۔ لنگور اور بندر البتّہ درختوں کی شاخوں پر جھولتے ہُوئے کچر کچر کر رہے تھے چھوٹے چھوٹے بچّوں کو ماؤں کی پیٹھ سے چمٹے اور آنکھیں جھپکتے دیکھ کر ٹوکی بے اختیار مُسکرانے لگتا۔ بید کے ایک درخت پر ایک شاندار عُقاب گردن تانے بیٹھا تھا اور ٹوکی کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ آگے چل کر ندی کا پانی صاف اور نتھرا ہُوا نظر آیا۔ ٹوکی وہیں پانی کے اندر گھُس گیا اچھّی طرح پانی پیا اور اپنے تپتے ہُوئے گالوں کو ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں ڈبو دیا اور پھر سارے جسم پر چھینٹے مارنے لگا

جب اُس نے سر اُٹھایا تو قریب ہی کئی قسم کے جنگلی جانوروں کے پاؤں کے نشان نظر آئے۔ یہ جانور یہاں پانی پینے آتے تھے۔ ان میں ہرنوں، چیتوں چیتلوں اور زیبروں کے پیروں کے نشان ٹوکی خوب پہچان سکتا تھا۔ ایسے نشان بھی تھے جہاں زرافوں نے گھٹنے زمین پر ٹیک کر پانی پیا تھا۔ اچانک ایک نشان پر ٹوکی کی آنکھیں جم کر رہ گئیں اور اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ گینڈے کے پیروں کے تازہ نشان تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ اِس خوں خوار جانور نے صِرف چند منٹ پہلے اس جگہ آکر پانی پیا ہے اس طرف آنے والے نشانوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ گینڈا بڑی بے فکری کے ساتھ مزے مزے سے چلتا ہوا دریا تک آیا ہے۔ مگر واپس جانے والے نشان بتاتے تھے کہ وہ گھبرا کر، جلدی جلدی واپس گیا ہے۔ اُس کی اگلی ٹانگ ایک گڑھے میں جا پڑی تھی۔ پھسلنے کا نشان ابھی تازہ ہی تھا۔ اس سے ٹوکی نے اندازہ لگایا کہ گینڈا کسی چیز سے ڈر کر بھاگا تو اس کا پاؤں رپٹ گیا۔ اس سے آگے ٹوٹی اور روندی ہوئی جھاڑیاں ظاہر کرتی تھیں کہ خوف زدہ جانور اصلی راستہ چھوڑ کر گھنے جھاڑ جھنکاڑ میں جا گھسا ہوگا۔

دریا کے کنارے ان ساری چیزوں کو ٹوکی نے بڑے غور سے دیکھا اور خطرے کا اندازہ کر کے اپنا چاقو نکال کر وہیں ایک پتھر پر تیز کرنا شروع کر دیا جو اُسی صُبح زیبرے کے پھندے کو کاٹتے ہُوئے کُند ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس کا چھوٹا پھل اُسے شیر اور گینڈے جیسے جانوروں کا مُقابلہ کرنے میں کچھ بھی مدد نہیں دے سکتا تھا مگر پھر بھی اس کی تیز دھار کو اپنے انگوٹھے سے چھُوتے ہُوئے اُس کے دل کو ڈھارس تو ہو گئی۔ پتھر پر لوہے کی رگڑ کی کرخت آواز اِس خاموشی میں اور بھی زیادہ بُلند سُنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز ٹوکی کے کانوں کو ناگوار محسوس ہوئی تو اُس نے رگڑنا چھوڑ کر ماتھے پر تیوری ڈالتے ہُوئے اِدھر اُدھر دیکھا جنگل میں مُکمّل خاموشی چھا گئی۔ اب نہ کسی بندر کی آواز آتی تھی نہ پرندے کی یُوں لگتا تھا جیسے اِس جنگل کے سارے جانور کسی چیز کا اِنتظار کر رہے ہیں —— مگر کس چیز کا؟ اس کا فیصلہ ٹوکی نہ کر سکا۔

اب وہ کچھ تھکے تھکے سے قدم اُٹھاتا آگے بڑھا۔ اُس کے پیروں کے نیچے لکڑیاں چٹخنے کی آواز سُنائی

دیتی تو اِس خاموشی میں وہ چونک اُٹھتا۔ آخر جب گھاس اور بیلوں کا فرش ختم ہو کر اچانک ننگی زمین آگئی تو دو ہی قدم اُٹھانے کے بعد ٹوکی ایک دم ٹھٹک گیا۔

"اُف، شیر کے پنجے کا نشان؟"

وہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹا جیسے وہ نشان نہیں کوئی زندہ چیز تھی جو اسے کاٹ کھائے گی۔ چند منٹ تک وہ یُوں کھڑا رہا جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔

نہیں ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے ..... وہ خود بخود بولا مگر ساتھ ہی اُس کی آنکھیں نشان پر گڑی ہُوئی تھیں۔ اِتنا بڑا نشان کسی عام شیر کے پنجہ کا نہیں صِرف سفید بالوں والے سِمبا ہی کا ہو سکتا ہے۔

ٹوکی نے آگے نگاہ دوڑائی۔ اور نشان بھی مُوجود تھے اور سب نئے تھے جیسے تھوڑی دیر پہلے ہی وہ ہیبت ناک شیر اِس جگہ سے گُزر کر گیا ہو۔ وہ اُن نشانوں پر چلتا ندی کے کنارے تک آیا۔ کنارے کی گیلی مٹّی جہاں شیر کے بڑے بڑے پنجوں سے دبی تھی وہاں چھوٹے چھوٹے گڑھے بن کر پانی سے بھر گئے تھے اور ایک جگہ گیلی زمین پر اُس کے بھاری بھرکم جِسم کی رگڑ کا نشان اب تک تازہ تھا۔ یہ

قدم واپس نہیں پلٹے تھے۔ ٹوکی نے ندی کے چھوٹے سے پاٹ کے اُس پار نگاہیں دوڑائیں۔ اُس نے دیکھا کہ دُوسرے کنارے پر بھی نشان نظر آرہے تھے جو ایک گھاس کے قطعے کے قریب ختم ہو گئے تھے۔

یہ خیال کہ چند منٹ ہُوئے سِمبا اس جگہ سے گُزرا ہے۔ کتنا ہیبت ناک تھا۔ پھر یہ مُکمّل خاموشی اُسے اِحساس دلانے لگی کہ شاید عین اِس وقت وہ کسی جھاڑی کے پیچھے چُھپا بیٹھا ہو۔ اِسی لیے تو سارے جانور خاموش ہیں۔ شیر ضرور اِسی جگہ موجُود ہے۔ اب یہ خاموشی ٹوکی کو اور بھی بھیانک محسُوس ہونے لگی۔ مگر بہادر لڑکے نے اپنے اِس خوف پر جلد ہی قابُو پالیا اور ندی میں اُتر کر دوسرے کنارے پر یہ دیکھنے کے لیے گیا کہ پنجوں کے نشان کس طرف کو گئے ہیں۔ مگر اِس تلاش کے دوران اُسے ایک اور بات بھی معلوم ہُوئی۔ سِمبا زخمی تھا۔ جھاڑیوں اور پتّوں پر جگہ تازہ خُون کے دھبّے موجود تھے۔ ٹوکی نے بے اِختیار جُھرجُھری لی۔

"تو کیا سچ مُچ سِمبا زخمی ہو چکا ہے؟" اُس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اور ایک دم خوف اُس پر غالب آگیا۔ وہ واپس مُڑا اور اندھا دُھند دوڑنے لگا۔ درختوں

کی شاخیں اُس کے مُنھ پر لگتیں خاردار جھاڑیاں قدم قدم
پر راستہ روکتیں مگر وہ کوئی توجّہ نہ کرتا۔ بس دوڑتا ہی چلا
جاتا۔ اِس وقت اُس کے ذہن میں صِرف ایک ہی خیال
تھا اور وہ یہ کہ اُسے اِس جگہ سے جہاں تک ہو سکے دُور
چلے جانا چاہیے جہاں ایک زخمی شیر غُصّے میں بھرا بیٹھا
ہے۔ وہ پُوری رفتار سے دوڑتا چلا گیا۔

ابھی وہ کچھ زیادہ فاصلہ طے نہ کر پایا تھا کہ گھنا
جنگل ختم ہو گیا۔ اور وہ ایک کھلے میدان میں آ پہنچا۔
یہاں وہ خطرے سے جلد آگاہ ہو سکتا تھا۔ جھاڑیاں
اور ٹیلے دُور دُور تھے اور اُن کے پیچھے چُھپا ہُوا کوئی
جانور اگر اُس پر حملہ کرے تو کافی فاصلے سے دکھائی
دے سکتا تھا۔

لیکن وہ ابھی اس میدان میں کچھ زیادہ آگے نہیں
گیا تھا کہ ایک خوفناک گینڈا اندھا دُھند دوڑتا ہُوا اُس
کے سامنے سے گزُر گیا۔ ٹوکی جھٹ ایک ٹیلے کی اوٹ
میں چُھپ گیا۔ گینڈا سیدھا بھاگ جانے کے بجائے
وہیں چھوٹے چھوٹے چکّر کاٹنے لگا۔ کبھی مارے غُصّے
کے ڈکارتے ہُوئے زمین میں سر گاڑ دیتا، کبھی کسی
جھاڑی سے اُلجھ پڑتا، جیسے گھبرایا ہُوا اور خوف زدہ

ہو۔

ٹوکی چٹّان کے پیچھے سے سر نکالے گینڈے کی
حرکتیں دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایسا محسوس ہُوا جیسے لمبی
لمبی گھاس کو کوئی چیز تیر کی طرح چیرتی ہُوئی تیزی سے
چلی آ رہی ہے۔ گینڈے سے کچھ فاصلے پر وہ چیز اُوپر
ہوا میں اُچھلی اور کافی بُلندی پر جا کر اُس نے گینڈے
کے اُوپر چھلانگ لگا دی۔ یہ سُفید ایال والا سمبا تھا۔ ٹوکی
مارے خوف کے کانپ اُٹھا۔ اُس نے سُنا تھا کہ شیر
بھینسوں کو پھاڑ ڈالتے ہیں مگر گینڈے پر شیر کا یُوں بے
دھڑک حملہ کرنا اُس نے آج تک نہ سُنا تھا۔ وہ ڈر کے
مارے چٹان سے چمٹ گیا اور ذرا سا سر آگے نکال
کر یہ عجیب و غریب لڑائی دیکھنے لگا۔ گینڈا بہت
ظالم اور جی دار جانور ہے۔ مگر اِس وقت شیر کے
سامنے وہ بھیگی بِلّی بن گیا تھا۔ شیر اُس کی پیٹھ پر سوار
تھا اور اُس نے پنجوں سے گینڈے کی گردن پکڑ کر اُس پر
دانت گاڑ رکھے تھے۔ گینڈا اپنے بچاؤ کے لیے کچھ بھی
نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ڈر کے مارے زمین کے ساتھ لگ
گیا تھا اور اُس کا بھدّا جسم زمین پر گھسٹ رہا تھا۔

ٹوکی نے سوچا کہ سمبا اپنے زخمی جسم کو آرام دینے

Jahangir Alam

کے لیے کسی جھاڑی میں پڑا ہوگا کہ گینڈا اِتفاق سے اس طرف آنِکلا۔ گینڈے کو دیکھ کر وہ غضب ناک ہوگیا، گینڈا ڈر کر بھاگا۔ شیر نے اُس کا پیچھا کیا اور اُسے آدبوچا۔ ورنہ عام حالت میں شیر گینڈے کے بچّوں پر تو حملہ کردیتا ہے لیکن بڑے گینڈے سے نہیں لڑتا۔

گینڈا کچھ دیر تو خوف سے دبا رہا پھر جان خطرے میں دیکھ کر ہمّت کی اور موت سے بچنے کی پُوری کوشش کرنے لگا۔ شیر کی گرفت سے چُھوٹنے کے لیے اس نے پہلُو بدلنے شروع کیے۔ جِسم کو زور زور سے جھٹکے دیے اور کئی پینترے بدلے اور آخر پُوری قُوّت سے جھٹکا دے کر اپنے آپ کو شیر کی گرفت سے چُھڑا لیا۔

اب شیر اور گینڈا آمنے سامنے کھڑے ایک دُوسرے کو غضبناک نظروں سے گھُور رہے تھے۔ پھر اچانک گینڈے نے ایک زور کی جُھرجُھری لی، ایک دم واپس پلٹا اور بھاگ کھڑا ہُوا۔ سمبا کے چوڑے پنجے اور تیز دانت اُس کی سخت جِلد کو چیر کر گوشت میں دھنس گئے تھے اور زخموں سے خُون کے فوّارے چھوٹ رہے تھے۔ گینڈے کے دوڑتے دوڑتے بھی

سمبا نے ایک حملہ کر ہی دیا اور اُس کی زخمی گردن پر
ایک زور کا پنجہ مارا۔ گینڈے کے بھاگ جانے کے بعد
بھی وہ کچھ دیر وہیں کھڑا مارے غُصّے کے زور زور سے
غرّاتا رہا۔ آخر ایک چھلانگ لگا کر پھر گینڈے کے
پیچھے دوڑا۔ گھنے جنگل کے جس جُھنڈ میں ایک دو منٹ
پہلے گینڈا گھُسا تھا وہیں شیر غائب ہو گیا۔

ٹوکی سوچ رہا تھا، خبر نہیں گینڈا دوبارہ شیر کے
ہتھے چڑھا یا نہیں وہ اپنی پناہ گاہ سے باہر آنے کی
جُرأت نہ کر سکا۔ کیونکہ جنگل شیر کی دہاڑوں سے گونج
رہا تھا۔ پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بم کے دھماکے
ہو رہے ہوں۔ اس ہولناک آواز نے سارے جنگل کو
ہلا کر رکھ دیا۔ ٹوکی چٹان سے چمٹ گیا اور دہشت سے
آنکھیں بند کر لیں۔ آخر آوازوں کی شِدّت کچھ کم ہُوئی
اور وہ آہستہ ہوتے ہوتے کراہٹ میں بدل گئیں۔ پھر
یہ کراہٹ بھی رفتہ رفتہ مدھّم ہوتی گئی۔ اب ٹوکی نے
آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے حواس اکٹھے کرنے کی کوشش
کرنے لگا۔

گینڈا مرا نہیں تھا۔ وہ لنگڑاتا ہُوا جنگل سے نکلا
اس کے زخموں سے خُون اُبل رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ

میدان کے اُس پار گھنے قطعے کی طرف جا رہا تھا۔
اِتنے میں سمبا بھی جُھنڈ میں سے نکلا۔ فتح کے غرُور
سے گردن اونچی کیے وہ بھاگتے ہُوئے دُشمن کو
دیکھتا رہا۔ مگر اِس دفعہ اُس کا تعاقب نہ کیا۔ جیسے
کچھ سوچ رہا ہو۔ اس کی گردن کے اُوپر اور ٹھوڑی
کے نیچے چاندی جیسے سفید بالوں کی لٹیں لٹک رہی
تھیں۔

غرُوب ہوتے ہُوئے سُورج کی سُرخ سُرخ
کرنیں جنگل میں آگ سی لگا رہی تھیں۔ شام سر پر
آ رہی تھی اور ٹوکی کا سفر ابھی آدھا بھی ختم نہ ہُوا تھا
ادھر سمبا تھا کہ وہیں کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ آخر جب
وہ آہستہ آہستہ چلتا ہُوا گھنی جھاڑیوں میں گھس گیا تو
ٹوکی نے شُکر کیا۔

شیر کے ہٹتے ہی ٹوکی نے دوڑنا شرُوع کر دیا۔
تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ گھنے درختوں کے
جُھنڈ میں بنے ہُوئے ایک سُرنگ جیسے راستے پر ہو لیا
جو جنگلی جانوروں کے آنے جانے سے بن گیا تھا۔ یہ
سرنگ ختم ہُوئی تو وہ پھر ندی کے کنارے آ نکلا۔ مگر
یہ راستہ جھاڑیوں سے پٹا پڑا تھا۔ اسی لیے ٹوکی کی

رفتار سُست ہو گئی۔

ٹوکی کا حلق خُشک ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر مارے پیاس کے پپڑیاں جم گئی تھیں۔ ٹانگوں اور جسم پر بیسیوں خراشیں تھیں جن پر پسینہ کاٹ رہا تھا۔ مگر رات سر پر آجانے کے خیال سے وہ آگے ہی آگے بڑھا جا رہا تھا

اب جھاڑیاں شام کے جھٹپٹے میں سائے جیسے نظر آنے لگی تھیں۔ ٹوکی بے حد تھک گیا تھا، اُسے اپنی ہمّت ٹوٹتی محسوس ہوئی، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ روتا جاتا اور دوڑتا جاتا۔ اس کی تھکی ہُوئی ٹانگیں جواب دے رہی تھیں۔ مگر جان کا خوف اُنھیں حرکت میں رکھے ہُوئے تھا۔ ایک جگہ وہ دلدل میں جا گھُسا۔ دریا کے کنارے کی گیلی اور چکنی مٹّی پر سے اس کا پاؤں ایک دم جو رپٹا تو وہ اپنا وزن قائم نہ رکھ سکا اور بُری طرح گرا یہ جگہ دریا کے بالکل ساتھ تھی۔ ایک لوٹ لگا کر اُس نے اپنے آپ کو ندی کے پانی میں گرا لیا تاکہ اُس کے جسم اور کپڑوں پر سے کیچڑ صاف ہو جائے۔ بہتے پانی کی ہلکی ہلکی لہریں اُس کے جسم سے سرسراتی ہُوئی گزر رہی تھیں۔ اُس نے آہستہ سے کُہنی کے بل اپنے کو اُوپر اُٹھایا۔ وہ اتنا تھکا

ہُوا تھا کہ اُس پر نیند سی طاری ہونے لگی۔ اُس نے اپنے سر کو جھٹک کر اِرد گِرد نگاہ دوڑائی۔

اور جو منظر اُس نے دیکھا اُس کے خُون کو رگوں میں جما دینے کے لیے کافی تھا۔ پہلے تو اُس نے سوچا کہ خواب دیکھ رہا ہے۔ مگر نہیں۔ یہ خواب نہیں، حقیقت تھی۔ اُس سے صرف چند قدم کے فاصلے پر سفید بالوں والا سمبا گھنی گھاس میں بیٹھا تھا۔ درخت کی لمبی لمبی شاخیں اُس کے سر پر جُھکی ہُوئی تھیں اور وہ بڑے آرام سے بیٹھا آنکھیں جھپک جھپک کر اِس چھوٹے سے لڑکے کی طرف دیکھ رہا تھا جو ندی کے پانی میں لیٹا ہوا اپنے تھکے ہُوئے جِسم کو سکُون دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹوکی نے سوچا کہ اُسے اپنے بچاؤ کے لیے کچھ تو کوشش کرنی چاہیئے۔ اُس نے نیا دا کے دیے ہوئے بھالے کو اس طریقے سے ندی کی چکنی مٹّی میں گاڑ دیا کہ تیز بھالا سامنے کے رُخ کھڑا رہے۔ اگر شیر چھلانگ لگا کر اُس پر حملہ کرے تو بھالے کی نوک اُسے راہ میں ہی روک لے۔ یہ مسائی قبیلے کا خاص حربہ تھا۔ ٹوکی بھالا ٹھونک کر خود اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

مگر شیر نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی۔ اُسی طرح آنکھیں جھپک جھپک کر اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے وہ کوئی خُوں خوار شیر نہیں بلکہ بے ضرر سا جانور ہے۔ اس کی آنکھوں میں دُشمنی کی ذرا سی جھلک نہ تھی۔

لمحے گزرتے رہے ٹوکی کا خدشہ غلط نکلا۔ سمبا اُسے نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ٹوکی کے دل میں عجیب خیال آیا کہ اگر وہ ذرا سی ہمّت کرے تو پُورے ٹانگانیکا میں اُس کی دُھوم مچ جائے گی بچّے بچّے کی زبان پر اس بہادر لڑکے کا نام ہو گا۔ جس نے سفید بالوں والے سمبا کو مارا ـــــ سمبا افریقہ کا خوفناک شیر جس کے نام سے لوگ کانپ اُٹھتے ہیں ـــــ مگر یہ خیال بجلی کی لہر کی طرح گزر گیا اور ٹوکی اس خیال پر اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ کس ظالم کا جی چاہے گا کہ ایسے خوبصورت اور شاندار جانور کی جان لے۔

شاید اُس کی دُعا قبول ہو گئی تھی۔ سمبا کی اُٹھی ہُوئی گردن کندھے پر جُھک گئی۔ وہ اپنے زخمی کندھے کو چاٹ رہا تھا۔ اُس کا سارا جسم لمبی گھاس میں چھپ گیا۔ گھاس کے اُوپر ایک لمبی سی سفید لٹ نظر آ رہی تھی جو سُرخ خُون سے رنگی ہُوئی تھی۔

ٹوکی کا دل اِس شیر کے لیے ہمدردی سے بھر گیا اور وہ اِسے بچانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ "سمبا کو نہیں مرنا چاہیے۔ اِسے کوئی نہیں مارے گا۔" وہ بڑبڑایا اور اپنا بھالا مٹّی سے اُکھیڑ کر آہستہ سے اُٹھا اور ایک بار پھر ندی کے کنارے تیز چلنے لگا۔ پیچھے سے غرّاہٹ کی آواز سُنائی دی۔ ٹوکی نے رفتار اور تیز کر دی۔

شام کے جُھٹپٹے میں ..... گھنے درختوں کے پیچھے اُسے راستے میں دو تین دفعہ گینڈے کی پرچھائیں سی دکھائی دی مگر وہ دبے پاؤں اپنے راستے پر بڑھتا ہی گیا۔ اگرچہ اندھیرا بڑھ گیا تھا مگر اِتنا بھی نہیں کہ اُسے ٹرک کے پہیّوں کے نشان نظر نہ آتے کم گہرے پانی میں اور دُوسرے کنارے پر گیلی زمین پر نشان دیکھ کر اُس نے یہیں سے دریا کو پار کر لیا۔ اور نشانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اُسے ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو منزل تک پہنچنے سے پہلے رات ہو جائے اور وہ اِن نشانوں کو کھو دے جن کی مدد سے اُسے کیمپ تک پہنچنا تھا۔ ابھی اتنی روشنی تو تھی کہ وہ غور سے دیکھنے پر گھاس میں بھی اُنھیں تلاش کر لیتا تھا۔ کیونکہ جہاں سے وزنی ٹرک گزرتا گھاس دب جاتی تھی۔

آخر اندھیرا ہو گیا۔ وہ پیچھے پھر کر دیکھتا تو جنگل ایک کالی دیوار کی طرح دکھائی دیتا۔ اُس کے سامنے ہرسبز میدان تھا جس کی کھُلی فضا میں سانس لینے سے وہ خوشی محسُوس کرنے لگا۔ زیبروں کے ریوڑ میدان سے جنگل کی طرف جا رہے تھے۔ اندھیرا چھا گیا تھا۔ اب پہیّوں کے نشانات کا نظر آنا مُمکن نہ تھا لیکن ٹوکی میدان پار کرنے کا تہیّہ کر چُکا تھا کیونکہ اندھیرے میں اُسے میدان کے اُس کنارے پر کیمپ کے الاؤ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مارے خوشی کے اُچھل پڑا اور تیز تیز قدم اُٹھانے لگا۔

آدھا گھنٹا چلنے کے بعد بھی وہ روشنی اُتنی ہی دُور تھی۔ وہ چلتا جاتا اور روشنی اور آگے بڑھتی جاتی۔ ایک گھنٹا اور گزر گیا لیکن اُس کی منزل نہ آئی۔ وہ تھک کر چُور چُور ہو گیا۔ اُسے نیند کی جھپکیاں آ رہی تھیں۔ وہ بے اختیار ایک درخت کے نیچے گر پڑا۔ اب تو لاکھ کوشش پر بھی اُس سے ایک قدم چلا نہیں جاتا تھا۔

"بس ایک مِنٹ آرام کر کے میں آگے چل پڑوں گا..... صِرف ایک منٹ ....." وہ اُونگھتے میں بڑبڑایا اور نرم نرم گھاس پر لیٹ کر آنکھیں بند

کر لیں ـــــ "صرف ایک منٹ ..... بس ..!" وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔ اور یہ کہتے کہتے بے خبر سو گیا۔

"سیرن گیتی" کے میدانوں میں پُورے چاند کی سفید چاندنی بچھ گئی۔ زرافوں کا ایک کُنبہ کیکر کے تازہ پتّے کھانے اُسی جھنڈ میں آنکلا جہاں ٹوکی مزے سے سو رہا تھا۔ اِس لق و دق جنگل میں انسان کے ایک بچّے کو یُوں بے فِکر سوتا دیکھ کر یہ جنگلی جانور بھی جیسے حیران ہو کر ٹھٹک گئے اور کئی منٹ تک اِس عجیب مخلُوق کو قریب سے دیکھتے رہے جسے انسان کہتے ہیں آخر ایک نوجوان زرافہ جو سب سے دلیر تھا، آگے بڑھا اور سوئے ہُوئے ٹوکی کے پیر کی اُنگلیوں کو چاٹنے لگا جب اس پر بھی لڑکے نے حرکت نہ کی تو زرافوں کو یقین ہو گیا کہ یہ لڑکا اِنھیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ آگے بڑھے اور مزے سے کیکر کی ہری ہری کونپلیں کھانے لگے۔

Rashid Ashraf-zest70pk@gmail.com

رحمانی

رحمانی ناشتے سے پہلے سیر کے لیے نکلا تو اُسے ایک جگہ گِدھوں کا غول کا غول آسمان پر چکر کاٹتا دکھائی دیا۔ جیسے وہ کسی شکار کی تاک میں منڈلا رہے ہوں۔ مگر ابھی اُن کے دعوت اُڑانے میں کچھ دیر تھی اور وہ اِنتظار میں تھے۔ رحمانی نے دُوربین لگا کر دیکھنا چاہا کہ گِدھ کس چیز پر منڈلا رہے ہیں۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر گھنی جھاڑیوں میں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ وہ دُوربین ہٹانے ہی والا تھا کہ ایک دم اُس کی نگاہ کیکر کے پیڑ کے نیچے پڑے ہُوئے ٹوکی پر پڑی۔

"ارے؟ یہ کون ہے؟" رحمانی نے حیران ہو کر اپنے آپ سے کہا۔ اور جیپ میں بیٹھ کر اُس طرف روانہ ہو گیا۔ ٹوکی اتنا بے خبر سو رہا تھا کہ گاڑی کے انجن نے اُس کے سر پر پہنچ کر شور مچایا تو بھی وہ نہ جاگا اور

جب تک رحمانی نے اُس کا کندھا پکڑ کر زور سے نہ جھنجھوڑا اُس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ وہ اُٹھ بیٹھا اور حیران سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر اُسے ایک دم یاد آیا کہ وہ کیسے سویا تھا۔

"رحمانی صاحب؟"

اُس نے ایک دم خوش ہو کر کہا۔ مارے خوشی کے اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ سُورج اُفق پر بُلند ہو گیا تھا اور اُس کی زرد زرد کرنیں درختوں کی چوٹیوں پر کھیل رہی تھیں۔ رات کے خوفناک اندھیرے چھٹ گئے تھے۔ خطرہ ٹل گیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا ٹوٹو؟ میں تو تمھیں یُوں پڑا دیکھ کر ڈر گیا" رحمانی نے اُس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر کہا اُس کی آنکھوں میں اب تک فکر مندی کے سائے لہرا رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا اگر اِس خوفناک جنگل میں اِس بچّے کی جان چلی جاتی تو؟

"ٹھیک ہُوں جی ـــ" ٹوکی نے جواب دیا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"مگر تم یہاں کیا کر رہے تھے؟ کیا رات تُم نے یہیں گزاری؟"

"جی ہاں ـــــ یہیں ـ"

"کیا تم ـــــ مسٹر پائک کے قافلے کے ساتھ نہ تھے۔؟ میرا خیال ہے میں نے تمھیں دیکھا ہے؟"

"جی ہاں ـــــ میں ٹوکی ہوں نا ـــــ"

وہ حیران ہوا کہ رحمانی اُس شام اُس کے ساتھ باتیں کرتا رہا ہے پھر اُسے کیسے بھول گیا؟

"مگر تم اِس جگہ کیسے آئے؟" رحمانی نے حیران ہو کر پُوچھا۔

"میں کھو گیا تھا۔ وہ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ میں اُنھیں ڈھونڈتا پھرا۔ میں نے جنگل میں بڑے شیر کو بھی دیکھا۔ میں جانتا ہوں وہ کس جگہ ہے۔ وہ یہیں ہے۔ اُس جھنڈ میں۔ دریا کے کنارے ـــــ"

وہ ایک ہی سانس میں کہتا جا رہا تھا۔ رحمانی گھبرا اُٹھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر ٹوکی کو چُپ ہو جانے کا اشارہ کیا اور جب لڑکا چُپ ہو گیا تو کمر پر ہاتھ رکھ کر غور سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا ایک ایک کر کے بات کرو ـــــ اور تسلّی سے سارا حال سُناؤ۔"

ٹوکی نے ذرا دِھیمے لہجے میں اپنی ساری کہانی

شروع سے آخر تک سُنائی جسے سُن کر رحمانی نے لمبا سانس لیا اور اُس کی طرف غور سے دیکھ کر سر ہلایا۔

"کیا..... تمھیں پُورا یقین ہے کہ جو کچھ تم بتا رہے ہو۔ ٹھیک ہے؟ یہ ماننا مشکل ہے ٹوکی کہ کوئی شیر گینڈے پر حملہ کر دے چاہے وہ کیسا ہی طاقتور ہو۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ شیر زخمی تھا۔ اور پھر یہ کہ تم ایک زخمی شیر کے اتنے قریب بیٹھے رہے۔ اُس نے تمھیں دیکھا بھی اور تمھیں زندہ چھوڑ دیا۔"

"میں نے اپنی اِن آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا ہے جناب اور جو کچھ میں بتا رہا ہوں اِس کا ایک ایک لفظ درست ہے۔ آپ نے اِس شیر کو دیکھا نہیں ہے، وہ دس شیروں کے برابر ہے..... وہ..... وہ تو کوئی عجیب چیز ہے۔ افریقہ کا عجیب جانور ہے۔"

ٹوکی ہاتھوں سے اِشارے کر کے بڑے جوش سے کہہ رہا تھا اور رحمانی حیرت سے اُس کی طرف پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ تو جو کچھ ہے سو ہے، تم بھی افریقہ کے عجیب و غریب چھوکرے ہو تم۔ بڑے چالاک اور بہت ہی دلیر لڑکے ہو۔"

"وہ جانتا تھا کہ میں اُس کا دُشمن نہیں ہُوں۔ وہ اُداس اُداس نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا۔"

رحمانی اپنا سر کھجاتے ہُوئے کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ سُنا ہے بعض شیر آدمی کو اُس وقت تک کچھ نہیں کہتے جب تک آدمی اُن پر حملہ نہ کرے۔ اور نہ وہ آدمی کے اِتنا قریب جاتے ہیں کہ وہ اُنھیں نقصان پہنچا سکے یہ بے چارا خبر نہیں کیسے ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔" رحمانی یُوں کہہ رہا تھا جیسے اُسے سمبا کا پائک کے ہاتھوں زخمی ہونا اچھا نہیں لگا۔

"جناب، کیا ہم اُس کی کچھ مدد نہیں کر سکتے...؟ وہ زخمی ہے۔ کیا ہم اُسے کچھ کھانے کو نہیں دے سکتے؟ وہ بُہت کمزور ہے شِکار نہیں مار سکتا۔" ٹوکی نے منّت کرتے ہُوئے کہا۔ اُسے سمبا پر بُہت ترس آرہا تھا۔

"شکاریات کے محکمے کا اُصول ہے کہ زخمی جانوروں کو ہلاک کر دیا جائے۔ تم تو یہ بات جانتے ہو گے؟" یہ کہتے ہُوئے رحمانی نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "تم کل صُبح سے غائب ہو۔ تم نے کچھ کھایا پیا بھی؟"

"نہیں، میں نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ لیکن مجھے

بھُوک نہیں۔"

ٹوکی نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ کیمپ میں چلو اور کچھ کھا پی لو۔ پھر مجھے اور میرے سکاؤٹ کو اُس جگہ لے چلنا جہاں تم نے سمبا کو دیکھا تھا۔"

رحمانی ٹوکی کو ساتھ لے کر جیپ کی طرف چلا تو پیار سے اُس کی پُشت پر تھپکی دیتا جا رہا تھا۔

"جب گرم گرم کھانے کی پلیٹ سامنے آئے گی تو خود بخود بھُوک لگنے لگے گی۔"

رحمانی ہنس کر کہہ رہا تھا۔

اور رحمانی نے سچ ہی کہا تھا۔ جب گیہوں کی روٹی اور ہرن کا بھُنا ہُوا گوشت ٹوکی کے سامنے رکھا گیا تو ایک دم اُس کی بھُوک چمکی۔ اُس نے سارا کھانا چٹ کر لیا اور پھر مُلازموں میں جا بیٹھا جو اِس چھوٹے سے کیمپ کے باہر الاؤ کے گِرد بیٹھے ٹین کی پیالیوں میں خوشبو دار چائے پی رہے تھے۔ اُدھر رحمانی نے اپنے سکاؤٹ ڈوبی کو ٹوکی کی بتائی ہُوئی ساری کہانی سُنائی۔ ڈوبی نے ذرا بھی حیرت ظاہر نہ کی۔ چُپ چاپ سُنتا رہا۔ جب رحمانی کہہ چُکا تو وہ سر ہلا کر کچھ سوچنے

ہوئے بولا:

"ویسے یہ بُری بات ہُوئی کہ ایسا شیر زخمی کیا گیا۔ یہ شیر اُس قسم کا ہے جیسے عموماً ہمارے چڑیا گھروں میں رکھے جاتے ہیں اور اِنسان پر بھروسا کرنے لگتے ہیں۔"

"اور اِس علاقے کے شیر تو گولی کی آواز اور بادل کی گرج میں فرق نہیں سمجھتے۔" رحمانی کہہ رہا تھا۔

جب ٹوکی کھا پی کر کچھ دیر آرام کر چکا تو رحمانی اور اُس کے سکاؤٹ ڈوبی کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر ندی کے کنارے اُسی مقام پر پہنچا جہاں اُس نے سمبا کو دیکھا تھا۔ وہ جیپ سے اُتر کر دبے پاؤں آگے بڑھے۔ آپس میں گتھی ہوئی گھنی شاخوں کے نیچے دُھوپ نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اِس خُشک سائے میں پرندے مزے سے بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ رحمانی نے ٹوکی سے پُوچھا:

"اِن جنگلوں میں اکیلے پھرتے ہُوئے تم ڈرے تو ضرور ہو گے؟"

"جی ہاں جناب۔" ٹوکی نے دبی زبان سے کہا۔ گویا یہ مانتے ہُوئے کہ وہ ڈرا تھا اُسے شرم محسوس ہُوئی مگر اب تو وہ بے خطر آگے بڑھ رہا تھا کیونکہ وہ اکیلا

نہیں تھا۔ رحمانی کے علاوہ اس کا سکاؤٹ بھی ہاتھ میں بندُوق لیے آگے آگے جا رہا تھا۔ اب ندی کا کنارہ گھنے جھاڑ جھنکاڑ سے پٹ گیا تھا۔ وہ تینوں آگے پیچھے قطار میں چلنے لگے جوں جوں آگے بڑھتے ٹوکی کا خوف بڑھتا جاتا۔ کسی خطرے سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو زخموں کی وجہ سے شیر مر چکا ہو اور یہ پہنچیں تو اُسے مرا ہُوا پائیں۔ کیونکہ اب آسمان پر چکّر کاٹنے والے گِدھ بھی منڈلاتے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اِس خیال سے ٹوکی بُہت گھبرایا۔ اُسے سمبا کے ساتھ بُہت پیار ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی اُسے ایک اور خیال آیا جس سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ درد اور تکلیف کی شدّت سے سمبا اِس قدر غضبناک ہو رہا ہو کہ انھیں دیکھ کر حملہ کر دے اور پھر رحمانی اُسے گولی مار دے۔ اُس نے آگے بڑھ کر رحمانی سے کہا:

"جناب، آپ اُسے ماریں گے تو نہیں؟"

"ٹوکی، اگر شیر اِس حد تک غضبناک ہُوا کہ ہم پر حملہ کرنے لگا تو مجبوراً اُسے مارنا ہی پڑے گا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہم خود مرنے کو تیار ہو جائیں۔"

اِتنا کہہ کر رحمانی نے پیچھے پھر کر ٹوکی کی صُورت دیکھی جس پر اُداسی اور فکر مندی چھائی ہُوئی تھی۔

"اور ایسا کرنا زخمی سمبا کے لیے بھی تو اچھا ہے اُسے تکلیف سے نجات مل جائے گی۔"

اچانک ڈوبی نے اُنھیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی اُس نے دبی آواز میں مگر تیزی سے کچھ کہا۔ پھر خود بُت کی طرح بے حرکت کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے سر اُٹھایا اور خاموشی سے ایک طرف اِشارہ کیا۔ ٹوکی اور رحمانی اُس کی اُنگلی کی سیدھ پر ندی کے کنارے ایک موڑ کی طرف دیکھنے لگے۔ پہلے تو ٹوکی کو کچھ دکھائی نہ دیا۔ لیکن فوراً جھاڑیوں میں کچھ حرکت پیدا ہوئی اور سفید بالوں والے سمبا نے چوکنّا ہو کر سر اُوپر اُٹھایا جیسے اس نے حملہ آوروں کی بُو پالی ہو۔ ڈوبی نے آہستہ سے رائفل اپنے کندھے سے لگائی۔ رحمانی نے ایک ہاتھ سے دُوربین آنکھوں سے لگائی اور دُوسرے ہاتھ سے ٹوکی کو اپنے پیچھے دھکیل دیا۔

سفید بالوں والے سمبا نے سر ذرا اور اُوپر اُٹھایا اور بڑے غور سے اُن کی طرف دیکھا۔ اُس نے اُٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر اُٹھ نہ سکا اور پھر وہیں

بیٹھ گیا۔ ڈوبی نے اپنی رائفل نیچے کر لی اور رنجیدہ ہو کر سر ہلایا۔

"جناب یہ شیر تو بُہت ہی بیمار ہے۔"

رحمانی نے بھی سر ہلایا ٹوکی پھر آگے سرک آیا۔

"صاف ظاہر ہے اِسے کسی نے نشانہ بنایا ہے خوش قسمتی سے گولی اِس کے شانے پر نہیں لگی۔ مگر گھاؤ خاصا گہرا ہے جس نے اِس کو بے بس کر دیا ہے۔" ڈوبی اُسی طرح سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔

رحمانی نے پھر اُسی طرح ہاں کہتے ہُوئے سر ہلایا اور دُوربین لگا کر شیر کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ چند قدم اور آگے بڑھ کر بالکل ندی کے کنارے پر چلا گیا۔ ٹوکی اور ڈوبی اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اب اُنھیں شیر کا جسم صاف دکھائی دے رہا تھا جو آدھا گھاس میں چُھپا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بڑی مشکل سے سانس کھینچ رہا ہے۔ وہ کئی منٹ تک چُپ چاپ وہاں کھڑے رہے۔ پھر رحمانی نے کہا۔

"چلو جیپ کے پاس واپس چلیں اور سوچیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ اِس جگہ کھڑا رہنا خطرناک ہے۔ وہ اچانک حملہ کر سکتا ہے زخمی ہونے کے باوجود ہمارے

لیے کافی ہے۔"

وہ جیپ کے پاس واپس آئے۔ رحمانی نے جلدی سے اپنے آپ کو ڈرائیونگ سیٹ پر پھینکا اور ماتھے کے اُوپر سے ٹوپی کو پچھلی طرف سرکاتے ہوئے لمبا سانس لیا۔ ٹوکی اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کوئی ایسی ترکیب سوچنے لگا جس سے سمبا زندہ بچ سکے۔

"تم شیر کو بچانے کے لیے اِتنی ضد کیوں کر رہے ہو ٹوکی؟" رحمانی نے جیسے اُس کا مقصد سمجھ کر پوچھا

ٹوکی چُپ ہو رہا۔

"مسٹر پائک تو اِس شیر کو مار کر اِس کا سر اپنے گھر میں سجانے کے لیے اپنے نئے ٹرک اور اپنے شکاری قافلے کی ہر چیز اِس مُہم پر قربان کر دینے کو تیار ہیں۔ اگر تم اُنھیں اِس کا پتا بتا دو تو وہ نہ صرف تمھیں بہُت کچھ انعام دیں گے بلکہ ہمیشہ کے لیے اپنے شکاری قافلے میں شامل کر لیں گے۔ تم نیل کی وادی تک اُن کے ساتھ جاؤ گے۔ یہ بھی دُور نہیں کہ وہ ہاتھی کے شِکار کے لیے کینیا جائیں۔ اور تم بھی ساتھ جاؤ۔ ویسے تو وہ تمھیں دیکھتے ہی آگ بگولا ہو جائیں

گے۔"

رحمانی نے ٹوکی کو سمجھایا۔ ٹوکی نے سمجھ تو لیا کہ رحمانی بالکل دُرست کہتا ہے مگر اُس کا دل کسی طرح نہیں مانتا تھا کہ بیچارے زخمی سمبا کو ہلاک کیا جائے۔

"تو میں اُن کے پاس جاتا ہی نہیں جناب میں کیوں نہ آپ کے ساتھ رہ کر شکاری سکاؤٹ بنوں؟"

رحمانی کے ہونٹوں پر بے اختیار مُسکراہٹ آگئی مگر بظاہر اُس نے اپنے چہرے پر سختی پیدا کرتے ہُوئے اُس کی طرف دیکھا۔

"یہ تو میں جانتا ہُوں کہ اس شیر کو آخر ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ اُسے یُوں مارا جائے۔ کیوں جناب، آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" ٹوکی نے پُوچھا۔

اُس کی حالت دیکھ کر رحمانی کو ہنسی آگئی۔ کہنے لگا۔ "میں سب سے پہلے تو یہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمھارے سمبا کو کچھ ناشتا لا کر دُوں۔ وہ بیچارہ بھُوکا ہوگا۔"

یہ کہہ کر رحمانی نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔ ٹوکی مارے

خوشی کے تالیاں بجا بجا کر سیٹ پر کُودنے لگا۔ اور اس کے بعد اُس کو یہ معلوم کر کے اور زیادہ خوشی ہُوئی کہ اس وقت سِمبا رحمانی کے اُس علاقہ میں تھا جہاں شِکار کرنا منع تھا۔ جب پائک نے اُسے زخمی کیا تھا اُس وقت وہ کھُلی شِکارگاہ میں پھر رہا تھا۔ زخمی ہونے کے بعد وہ اس طرف نکل آیا اور خوراک اور پانی کی تلاش میں پھرتے پھرتے نڈھال ہو کر اس جگہ پڑ رہا۔

یکایک ٹوکی پریشان ہو کر رحمانی سے پُوچھنے لگا۔

"کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ مسٹر پائک شیر کے شِکار کے شوق میں اِس کی بھی پروا نہ کرے کہ اِس علاقے میں شکار کی اجازت ہے یا نہیں؟"

"میں تمھیں کیمپ پہنچانے جاؤں گا تو اِس کے متعلّق پائک سے بات کروں گا۔ وہ شاید یہ نہیں جانتا کہ اِس علاقے میں شکار کی اجازت نہیں۔"

رحمانی نے جواب دیا اور ڈوبی کو ایک جنگلی جانور کا نشانہ لیتے دیکھ کر گاڑی کی رفتار ہلکی کر دی۔ وہ سِمبا کے لیے شِکار مارنا چاہتا تھا۔

"میں مسٹر پائک کے ساتھ کئی باتوں کا فیصلہ کرنا چاہتا ہُوں۔ میں پُوری کوشش کروں گا کہ اس سے

گُفتگو کے دوران کہیں مجھے غُصّہ نہ آجائے کیونکہ مسٹر پائک کی ہر بات غُصّہ دلانے والی ہوتی ہے۔" رحمانی کہہ رہا تھا۔

"اگر پائک صاحب اِس علاقے میں شِکار کرنے کی ضد کریں تو یہ اُن کی غلطی ہوگی۔ وہ رحمانی صاحب کی اِجازت کے بغیر ہرگز ایسا کر نہیں سکتے۔" ڈوبی کہنے لگا۔

مگر اِس پر بھی ٹوکی کے دل کو تسلّی نہ ہُوئی۔ وہ جانتا تھا کہ پائک ایک ضِدّی اور اوچھا آدمی ہے۔ اور سِمبا اُس وقت تک محفوظ نہیں جب تک پائک کا شِکاری قافلہ سیرن گیتی کے میدان میں موجُود ہے۔

کافی دن چڑھے وہ سمبا کے لیے شکار لے کر جا رہے تھے۔ اُنھوں نے ایک قریب ترین مقام پر جانور کو رکھ دیا۔ پانی بھی پاس ہی تھا۔ اور اُنھیں تسلّی تھی کہ یہ خوراک سمبا کے لیے کل تک کافی ہوگی۔

جنگل کا یہ حصّہ ٹوکی کے لیے اس حد تک جانا پہچانا تھا کہ وہ دل میں یُوں سمجھنے لگا جیسے یہ اُس کا اپنا ہو۔ پھر ایک محفوظ جگہ پر پہنچ کر اُنھوں نے گاڑی روکی اور جیپ ہی میں بیٹھ کر دوپہر کا کھانا کھانے لگے۔

گرمی بڑھ گئی تھی۔ پسینہ ٹپک ٹپک کر کھانے میں مل رہا تھا مگر کسے پروا تھی۔ وہ ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے کھاتے جا رہے تھے۔ گاڑی کے پاس سے جنگلی جانور اِدھر اُدھر آجا رہے تھے۔ ہرن چوکڑیاں بھرتا گزر جاتا پیچھے پیچھے اُس کے بچّے دوڑتے ہوئے جاتے۔ اِتنے میں شُتر مُرغوں کا پُورا جلوس اِس طرف آنکلا۔ اُن کے پنکھوں کی طرح کے پر ہوا میں عجیب طرح اُڑ رہے تھے اور لمبی لمبی ٹانگیں بہت بے ڈھنگی دکھائی دیتی تھیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر وہ روانہ ہوئے تو ٹوکی اُداس نظر آنے لگا۔ وہ ایک لمبا سا سانس لے کر بولا "کاش ایسا ہو سکے کہ میں یہیں رہ جاؤں اور مسٹر پائنک کے قافلے میں واپس نہ جاؤں۔"

"کیا ــــ؟" رحمانی نے حیران ہو کر پُوچھا اور مُسکراہٹ دباتے ہُوئے چہرے پر ناراضی کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مگر ٹوکی بڑا چالاک تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ رحمانی اس بات پر دل ہی دل میں خوش ہوا ہے۔

"شاید کسی وقت تم ایک اچھے شکاری سکاؤٹ بن سکو۔ کیوں تمھارا کیا خیال ہے ڈوبی؟"

رحمانی پُوچھنے لگا۔

"جی ہاں جناب۔" ڈوبی نے دل کھول ہنسنے کے بعد بڑے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"مگر ٹوکی، میری بات سُنو۔ سب سے پہلے تو تمھیں یُوں کرنا ہے کہ گھر واپس جاؤ۔ تمھارے سکول کا کافی حرج ہو چکا ہے اور تمھاری ماں بہت پریشان ہو رہی ہو گی۔" رحمانی نے کہا۔ ٹوکی کے دل پر گھر اور ماں کے ذکر سے ایک دم جیسے دھکّا سا لگا۔ وہ جانتا تھا کہ رحمانی ٹھیک ہی کہتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ ماں خفا تو ضرور ہو گی مگر جب وہ اُسے اپنے بہادُری کے کارنامے سنائے گا تو وہ اپنے بہادُر بیٹے پر فخر کے بغیر نہ رہے گی۔ وہ واپسی کے مُتعلّق سوچنے لگا حالانکہ واپسی سے پہلے ہی وہ اِس بات کا عہد کر چُکا تھا کہ وہ اپنی زندگی ان جنگلوں ہی میں بسر کرے گا۔

پائِک کی دھمکی

جب سے کیمپ میں آکر عبدُل کو معلوم ہُوا تھا کہ ٹوکی موجُود نہیں ہے اُس نے لگاتار بولنا اور بڑبڑانا شرُوع کر دیا تھا۔ جیسے کوئی مادہ لنگوُر بچّے کے کھو جانے پر پڑ پڑ بولتی چلی جاتی ہے۔ اور جب ٹوکی کیمپ میں واپس پہنچا تو اُسے دیکھ کر مارے خوشی کے عبدُل کے آنسُو نکل آئے۔ آلوؤں والی بوری کے کھُردرے کونے سے آنسو پونچھتے ہُوئے اُس نے ٹوکی کو حکم دیا کہ پانی کی بالٹی اُٹھائے اور نہا دھو کر اپنے جِسم کو گرد و غبار سے صاف کرے۔

"یُوں لگتے ہو جیسے کوئی چھچھُوندر کا بچّہ کیچڑ میں لتھڑ کر آگیا ہو۔ وہاں سے صابن لو اور نہا ڈالو جا کر۔" اُس نے آلُو چھیلتے ہُوئے ہاتھ سے ناک کو رگڑ کر کہا۔ ٹوکی نے صابن کی ٹکیا اُٹھائی اور ہنستا ہُوا نہانے کے لیے چلا گیا۔

یہ خبر پا کر کہ سفید بالوں والے سمبا کو ڈھونڈھ لیا گیا ہے سارے کیمپ میں کھل بلی سی مچ گئی۔ ہر آدمی چوکنّا اور پُھرتیلا دکھائی دینے لگا۔ پائک اور اُس کے شِکاری کھوجیوں نے زخمی شیر کی تلاش میں جنگل کا چپّا چپّا چھان مارا تھا مگر شیر کا پتا نہ چلا تھا۔ صُبح سے رشید شِکاری گاڑی لے کر ٹوکی کی تلاش میں نکلا ہُوا تھا کل دوپہر کو جب کیمپ لگا اور کیمپ والوں نے ٹوکی کو نہ پایا تو رشید اور خود پائک الگ الگ گاڑی لے کر اُس کی تلاش میں گئے مگر شام کو ناکام واپس آگئے۔ آج صبح پھر دونوں گاڑیاں اسی مُہم پر نکلی ہُوئی تھیں۔ پائک اپنے ساتھ ٹامس اور دو کھوجیوں کو لے کر سمبا کی تلاش میں نکلا تھا۔ اور رشید ٹوکی کو ڈھونڈنے گیا تھا۔

"کیا مسٹر پائک دوپہر کا کھانا کھانے آئیں گے؟" رحمانی پُوچھنے لگا۔

"جی ہاں صاحب۔ وہ کھانے کے وقت سے بہت پہلے آجانے کو کہہ گئے تھے۔ وہ تو ناشتا بھی کر کے نہیں گئے۔ مُنھ اندھیرے ہی نکل گئے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔"

عبدُل کہنے لگا۔

"وہ سمبا کے کھوج میں لگے ہوں گے اور کیا؟"

رحمانی نے دبی آواز سے کہا تاکہ ٹوکی نہ سُن لے۔ مگر ٹوکی نے سُن ہی لیا۔ وہ کان کھڑے کیے اِدھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"جناب، کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ ....."

رحمانی نے بے صبری سے اُس کی بات کاٹی "مجھے معلوم ہے کہ مسٹر پائک نہایت ہوشیار ہیں اور ایک زخمی شیر کو ڈھونڈھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ مگر میں... جاکر دیکھتا ہُوں۔"

یہ کہتے ہُوئے رحمانی اپنی جیپ کی طرف چلا۔ ٹوکی نے جلدی جلدی کپڑے سے جسم کو پونچھا اور قمیص پہنتے ہُوئے۔

"ٹھہر جایئے جناب، میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

"نہیں ٹوکی، میں تمھیں ساتھ نہیں لے جاسکتا... تُم جانتے ہو میں کیا کرنا چاہتا ہُوں، میں سمبا کے قریب پہرا دُوں گا۔ تاکہ اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے۔

"تو مجھے بھی لے چلیے۔ میں بھی آپ کے ساتھ رہُوں گا" ٹوکی ضِد کر کے کہنے لگا۔

"نہیں ٹوکی۔ تمھیں ایک اور کام کرنا ہوگا۔ تم یہیں ٹھہرو۔ اگر پائک کیمپ میں آئے تو اُسے میری طرف سے کہہ دینا کہ وہ کسی حالت میں بھی اس شیر کو نہیں مار سکتا۔ سمجھے؟" وہ کہنے لگا۔

"جی ہاں جناب میں سمجھ گیا"

وہ بولا اور اپنی اہمیّت کو سمجھتے ہُوئے تن کر کھڑا ہوگیا۔ رحمانی کے سنجیدہ چہرے پر بے اختیار مُسکراہٹ آگئی۔ اُس نے پیار سے لڑکے کے کندھے پر تھپکی دی۔

"اچھا خُدا حافظ سکاؤٹ۔"

سکاؤٹ کے لفظ پر ٹوکی کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ اپنے دل میں فخر محسوس کرنے لگا۔ اِتنے ماہر شِکاری نے اُسے سکاؤٹ کہہ کر بُلایا تھا۔

عبدُل کے پاس آکر وہ کام میں لگ گیا۔ اب دوپہر ہوگئی تھی۔ وہ ریت سے برتن مانجھ رہا تھا اور ساتھ ہی سامنے میدان میں دُور دُور نظر دوڑا رہا تھا۔ مگر پائک کی شکاری گاڑی کا کہیں نشان تک دکھائی نہیں

دے رہا تھا۔ رشید دوپہر ڈھلے کیمپ میں واپس آیا اور ٹوکی کو دیکھتے ہی اُس کا چہرہ مارے خوشی کے چمک اُٹھا ـــــ ٹوکی نے اُسے بتایا کہ رحمانی نے شیر کو چھیڑنے سے منع کر دیا ہے رشید سر ہلا کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس کی جیپ تیزی سے میدان پار کر رہی تھی۔

"پہلے پائک صاحب شیر کو ڈھونڈتا پھرا۔ پھر ہم تمھیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے پاگل ہو گئے۔ پھر ہم شیر کی تلاش میں نکلے۔ اور..... اب پائک صاحب کو ڈھونڈھ رہے ہیں جو کسی طرح بھی شیر کی تلاش سے باز نہیں آتا..... اُف خدایا۔ کیا مُصیبت ہے؟" عبدُل نے ہاتھ ہلا ہلا کر رونی آواز میں کہا تو ٹوکی مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

سُورج غروب ہونے لگا مگر اُن لوگوں میں سے کوئی بھی واپس نہ آیا۔ اِنتظار ہی اِنتظار میں شام ہو گئی۔ اندھیرا چھا گیا۔ میدان میں جنگلی جانوروں کی عجیب عجیب آوازیں گونجنے لگیں۔ عبدُل کا مارے ڈر اور فکر کے بُرا حال تھا۔ وہ الاؤ پر رکھی ہُوئی دیگچی کے نیچے آگ دُرست کرنے کے لیے جُھکتا تو روشنی میں اس کا بھیانک چہرہ دیکھ کر ٹوکی بھی ڈرنے لگتا

آخر کافی رات گئے دُور میدان کے اُس پار گاڑی کی روشنیاں نظر آئیں۔

"یہ پائک صاحب کی گاڑی ہے۔" خبر نہیں بتیوں سے عبدُل نے گاڑی کیسے پہچان لی مگر وہ بے فکری سے اپنے کام میں لگ گیا۔ ٹوکی دوڑ کر کیمپ کے کنارے پر جا کھڑا ہُوا اور گاڑی کے قریب آنے کا اِنتظار کرنے لگا۔ اتنے میں دُوسری گاڑی کی بتیاں نظر آئیں۔

"آگے مسٹر پائک ہیں اور پیچھے مسٹر رشید کی گاڑی ہے۔" ٹوکی نے بُلند آواز سے عبدُل کو بتایا۔

اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اُس نے الاؤ کی مدھم روشنی میں پائک کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اُسے تسلّی ہو گئی کہ شیر ابھی تک اُس کے ہاتھ نہیں آسکا۔

پائک نے گاڑی سے اُترتے ہی اپنی دُوربین ایک لڑکے کی طرف پھینک دی اور خود تیزی سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے خیمے کی طرف بڑھا۔ آدھے راستے میں پہنچ کر اُس کی نظر ٹوکی پر پڑی جو ایک خیمے کے سائے میں کھڑا تھا۔

"یہ تم ہو؟ فوراً میرے خیمے میں آؤ۔ ابھی!" اُس نے سخت لہجے میں کہا۔ اور خیمے میں جا کر اپنے کو ایک کرسی پر پھینک دیا۔ ٹوکی اُس کے پیچھے پیچھے خیمے میں آگیا۔ لیمپ کی زرد روشنی میں پائک کا چہرہ بڑا بھیانک نظر آرہا تھا۔ اُس نے گردن کے گرد لپٹا ہُوا مفلر کھینچ کر دُور پھینک دیا۔ میز پر سے پائپ اُٹھایا اور تمباکو کے ڈبّے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ٹوکی نے میز پر پڑا ہُوا ڈبّا اُٹھایا اور پائک کے سامنے رکھ کر پھر چُپ چاپ کھڑا ہوگیا۔

"ہاں، تو آخر تم کیمپ میں پہنچ گئے؟"

"جی ہاں جناب۔"

"رشید نے مجھے بتایا ہے کہ تُم جانتے ہو سمبا کہاں ہے؟"

"ہاں جناب"

"مانو یا نہ مانو۔ میں بھی جانتا ہوں کہ وہ کس جگہ ہے۔ میں اور میرے ساتھی کل صُبح سے اُس کے پیچھے پھر رہے ہیں۔ ہم نے اُس کے پنجوں کے نشان ڈھونڈھ لیے ہیں۔ اُن کے کھوج پر ہم ندی تک پہنچے مگر اُس جگہ گھاس اِتنی گھنی اور لمبی تھی کہ اس سے آگے ہمیں

نشان نظر نہ آئے۔ لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ شیر اُسی جگہ کہیں موجود ہے۔ دریا کے کہیں آس پاس۔"

"دریا..... کے آس پاس؟" ٹوکی ڈر کر پُوچھنے لگا یہ خیال ہی اس کو ڈرانے کے لیے کافی تھا کہ پائک شیر کے ٹھکانے تک پہنچ گیا ہے۔ پائک حیران ہو کر ٹوکی کا مُنھ تکنے لگا۔

"ہاں تو..... کیوں؟ تُم خوف زدہ کیوں ہوگئے؟" وہ پُوچھنے لگا۔

"وہ ضرور وہیں ہوگا جہاں اس کے پنجوں کے نشان آپ نے دیکھے ہیں۔ میں اس لیے ڈرا کہ کہیں وہ حملہ کر دیتا تو؟" ٹوکی نے بڑی چالاکی سے بات بنائی۔

"ہوں....." پائک تیزی سے پائپ کے کش لے رہا تھا اور کچھ سوچ بھی رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر غم اور غُصّہ کے آثار گہرے ہوگئے۔

"آپ نے دریا کے آس پاس ڈھونڈا تو ہوگا۔" ٹوکی نے پوچھا وہ پُوری تسلّی کرنا چاہتا تھا کہ پائک کو سمبا کا ٹھکانا تو معلوم نہیں۔

"کہاں ڈھونڈا..... ہمارا بدبخت ٹرک دلدل میں پھنس گیا۔ بڑی مُشکلوں سے اس کو نکالا۔ اب

نیروبی سے نیا ٹرک خرید کر منگوانا پڑے گا۔" وہ غصّے سے غراتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

ٹوکی سمجھ نہ سکا کہ اُسے غصّہ کس پر آرہا ہے، دلدل میں پھنسے ہوئے ٹرک پر یا اپنے آپ پر؟

وہ آنکھیں نیچی کر کے اپنے پیر کے انگوٹھے سے زمین کریدنے لگا تاکہ اُس کے چہرے پر پیدا ہونے والی مسکراہٹ کو پائک نہ دیکھ پائے۔ مگر دھوئیں کے مرغولوں کے پیچھے سے پائک اُس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پائپ مُنھ سے نکالا اور آنکھیں سُکیڑ کر ٹوکی کو تکتے ہوئے بولا۔

"کل صبح ہم پھر اُسی جگہ جائیں گے ... تم ہمارے ساتھ ہوگے۔ اور ہمیں بتاؤ گے کہ سمبا کس جگہ چھپا بیٹھا ہے۔ تم اور صرف تم اُس کا ٹھکانا بتا سکتے ہو۔"

پائک کی آواز پر ٹوکی ایک دم چونک پڑا اور اُس کے غضبناک چہرے کو حیران ہو کر دیکھنے لگا۔

"آپ .... جناب آپ سمبا کو مارنا تو نہیں چاہتے" وہ کانپتی ہوئی آواز میں پوچھنے لگا۔

"اِس سے تمھیں کیا کہ میں مارنا چاہتا ہوں یا نہیں؟ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے وہاں لے چلو جہاں تم

نے شیر کو بیٹھے دیکھا تھا۔" پائک نے لال پیلی آنکھوں سے ٹوکی کو گھور کر کہا۔

غم اور غصّے کے مارے ٹوکی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس نے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر ہلایا "جی مجھے یقین نہیں کہ میں اُسے اب ڈھونڈ سکوں گا کیونکہ" آواز اُس کے گلے میں پھنس گئی اور وہ چُپ ہو رہا۔

پائک سمجھ گیا کہ لڑکا جھوٹ بول رہا ہے۔ مارے غصّے کے اُس کی آنکھوں سے شعلے سے لپکے مگر اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔ کیونکہ وہ ان افریقی چھوکروں کی ضد سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب اُس نے ٹوکی سے بات کی تو اُس کی آواز نرم تھی۔

"بھئی تم غور کر کے یاد کرو نا۔ اس میں تمھارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ سب تمھاری تعریف کریں گے کہ لو بھئی اتنے چھوٹے سے لڑکے نے کتنی بہادری کا کام کیا ہے۔" پائک اُس کا حوصلہ بڑھانے کو کہہ رہا تھا مگر ٹوکی نے جواب نہ دیا۔

"اور ہاں سچ میں تمھیں ایک خبر سُنانا تو بھول ہی گیا۔ آج ہی صبح راستے میں ہمیں ایک سوداگر ملا جو اروشہ جا رہا تھا۔ ہم اُس سے کچھ رسد وغیرہ خریدنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اِس سے کہا کہ وہ ہمارے کیمپ

کے قریب سے گزرے تو ہمیں جو سامان چاہیے دیتا جائے۔ اب وہ صبح یہاں پہنچے گا۔ اُس کے بعد اسے واپس جانا ہے۔ اب تمھارے ساتھ میں ایک فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے شیر کا پتا بتا دو تو میں تمھیں اپنے قافلے میں نوکر رکھ لوں گا اور یہاں سے ہم کینیا کی طرف روانہ ہوں گے جو ہاتھیوں کی مشہور شکارگاہ ہے۔"

ٹوکی چپ کھڑا ہونٹ چباتا رہا۔ پائک کو غصہ تو بہت آیا مگر کیا کرتا۔ اِس وقت اس کا مطلب اِس لڑکے سے اٹکا ہوا تھا۔ ضبط کر کے پھر بولا:

"اور اگر تم نے نہیں بتایا کہ سمبا کہاں ہے یا تمھیں یاد نہ آئے کہ اُسے تم نے کہاں دیکھا تھا تو تم ہمارے کام کے لڑکے نہیں۔ ہم اپنے سوداگر کے ساتھ جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا ہے تمھیں واپس تمھارے گاؤں بھیج دیں گے۔"

پائک اپنی بات ختم کر کے کرسی کی پشت سے لگ گیا اور غور سے ٹوکی کے منھ کو تکنے لگا۔ مگر ٹوکی نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اُسے چپ دیکھ کر پائک کا دماغ کھول اُٹھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم جان بوجھ کر جواب نہیں دیتے۔ خیر سوچ لو۔ اب یہ تمھاری اپنی مرضی پر ہے کہ تم ہمارے قافلے میں شامل ہونا چاہتے ہو یا واپس جانا چاہتے ہو۔ سوچ کر کل ہمیں جواب دو۔"

پائک نے غصّے سے غرّاتے ہوئے کہا اور میز پر پھیلے ہوئے نقشے پر جھک گیا۔ یہ ٹوکی کے لیے چلے جانے کا اِشارہ تھا وہ ایک دم خیمے سے باہر نکل آیا۔ مگر آتے آتے اُس نے پکّا اِرادہ کر لیا تھا کہ وہ ہرگز پائک کو شیر کا ٹھکانا نہیں بتائے گا۔

مگر اُسے یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اُسے اِتنی جلدی واپس بھیج دیا جائے۔ ابھی وہ اِن ہرے بھرے میدانوں کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ سُفید بالوں والے سمبا کو ایک بار اور دیکھنا چاہتا تھا۔ اور پھر وہ چلا گیا تو اس کے بعد خبر نہیں سمبا پر کیا گزرے۔ اِن ظالموں کے ہاتھوں وہ بچ بھی سکے گا یا نہیں۔؟

ٹوکی یہی باتیں سوچتا ہوا واپس آیا اور ایک جگہ بیٹھ کر سسکیاں لینے لگا۔

بارِش

اُس رات سب نے بہت دیر سے کھانا کھایا اور معمول سے کئی گھنٹے دیر سے کام کاج نپٹا کر سونے کی تیاری کرنے لگے۔ مگر پائک اور رشید کھانے کی میز کے سامنے بیٹھے ابھی تک باتیں کر رہے تھے۔ رہ رہ کر قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پائک خبر نہیں کون سی بات پر خوش ہو کر اتنا زور سے ہنستا تھا۔ لڑکوں میں سے ایک جو انھیں کھانا کھلانے پر مقرّر تھا، خالی پلیٹ لیے اور سالن مانگنے کے لیے عبدُل کے سر پر سوار تھا اور اُسے بتا رہا تھا:

"مسٹر رشید پائک صاحب کو مجبور کر رہے ہیں کہ کل وہ شکار کے لیے نہ جائیں۔ مگر وہ ہیں کہ کسی صُورت مان نہیں رہے۔ کہتے ہیں یہ شیر میرا شکار ہے۔ میں اسے ضرور ماروں گا۔"

ٹوکی اس سے زیادہ نہیں سُن سکتا تھا۔ وہ چُپکے سے اُٹھ گیا اور سب کی نظر بچا کیمپ سے نکل بھاگا۔ کیمپ کی حد سے نکل کر وہ اندھیرے میں راستہ ٹٹولنے لگا۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ تاروں کی مدھم روشنی اس اندھیرے میں کام نہیں کرتی تھی۔ جھاڑیوں میں جنگلی جانوروں کی آنکھیں مشعلوں کی طرح روشن تھیں۔ مگر ٹوکی اِس وقت کسی چیز سے نہیں ڈرا۔ اُس نے پیچھے پھر کر خیموں کی قطار کو دیکھا اور پھر اپنی دُھن میں آگے بڑھتا گیا۔ وہ اس گہری تاریکی میں دوڑ رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رحمانی کا کیمپ اِس جگہ سے پانچ میل دُور ہے اور اُسے واپس بھی آنا ہے۔

راستہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ تاریکی میں کیمپ کے الاؤ کی سُرخ روشنی کافی دُور سے دکھائی دیتی تھی۔ اور وہ اُسی رُخ دوڑ رہا تھا۔ وہ ابھی کافی دُور تھا مگر ڈوبی اور رحمانی کو الاؤ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ ڈوبی اپنی بندوق صاف کر رہا تھا۔ اور رحمانی اُس کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ ٹوکی قریب پہنچا تو اس کا سانس پھُولا ہوا تھا۔ وہ دونوں اُسے اس وقت اکیلا آتا دیکھ کر بے حد حیران ہُوئے۔ ڈوبی نے تو

ابھی ابھی چند قدم پر بھیڑیے کی آہٹ پہچانی تھی اور
اب ٹوکی کو اس خطرے سے صحیح سلامت نکل کر آتے
دیکھ کر بد حواس ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے . . . . ؟ تمھیں رات کو اِس جنگل میں
اکیلے چلنے کی ہمّت کیسے ہُوئی ؟ اِدھر آؤ۔ ذرا میں تمھارے
کان کھینچوں ؟" رحمانی نے حیران ہو کر کہا۔

ٹوکی نے یُوں سر ہلایا جیسے خطرے کے خیال کو
ذہن سے نکال دینا چاہتا ہو۔ وہ ابھی تک ٹھیک طرح بات
نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔
حلق میں کانٹے سے پڑ گئے تھے۔ رحمانی نے اُسے اپنے
قریب بٹھا لیا۔

"کیا بات ہے ؟" اُس نے اب کے نرمی سے پوچھا۔

"میں آپ کو ایک ضروری بات بتانے آیا ہوں اور
اِس سے پہلے کہ اُن لوگوں کو پتا چلے واپس جانا چاہتا ہوں
مسٹر پائک سمبا کو مارنے کا پُورا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہ
کہتے ہیں اُن کے راستے میں کوئی نہیں آسکتا اور وہ کسی
کی پروا نہیں کرتے۔ مجھے اُنھوں نے دھمکی دی ہے کہ
اگر میں انھیں کل صُبح سمبا کے ٹھکانے تک نہ لے گیا
تو وہ مجھے واپس بھیج دیں گے۔ اُنھوں نے کسی سوداگر کو

بلایا ہے جو میرے گاؤں کی طرف جا رہا ہے۔ اُسی کے
ساتھ مجھے واپس بھیجنا چاہتے ہیں۔ اور جناب سنیے تو۔
وہ کسی کی نہیں مانیں گے۔ اُنھوں نے سمبا کو شکار
کرنے کا پکّا ارادہ کر لیا ہے اور رشید صاحب کو بھی
بتا دیا ہے۔"

الاؤ کے سُرخ شعلوں میں رحمانی کا چہرہ صاف
دکھائی دے رہا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ پریشان سا ہو گیا۔
کچھ دیر تک تینوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ کسی نے کچھ
نہیں کہا۔ رحمانی کچھ سوچ رہا تھا۔

"اچھا ٹوکی، تم پائک کو سمبا کے ٹھکانے تک لے جاؤ
اور اس سے اپنی جان چھڑاؤ۔ آگے میں خود سمجھ لوں گا۔"
رحمانی نے کہا۔ ٹوکی ایک دم چونک کر اِس کی طرف
دیکھنے لگا۔

"نہیں جناب، وہ . . . . . وہ ایک دم . . ؟" ٹوکی نے
خوف کے مارے آنکھیں پھاڑتے ہُوئے کہا۔

"بھئی تم فکر نہ کرو۔ میں اور ڈوبی اُسے شکار سے
باز رکھنے کے لیے وہاں پہلے سے موجود ہوں گے دیکھتے
ہیں وہ کیسے ہمارے اُصول کو توڑ کر اِس جنگل میں زخمی
شیر کو مارتا ہے۔" رحمانی نے غُصّے سے اونچی آواز میں کہا

تو ٹوکی شکریے کی نظروں سے اُس کی طرف دیکھ کر مُسکرا پڑا۔

رحمانی نے اُسے اپنی جیپ میں بٹھا لیا اور پائک کے کیمپ کی طرف روانہ ہوگیا۔ آدھے میل کا فاصلہ باقی تھا کہ اُس نے ہیڈ لائٹ بُجھا دی تاکہ کیمپ میں کسی کو جیپ کے آنے کی خبر نہ ہو۔ اِس کے بعد کچھ فاصلے پر اُس نے جیپ روک لی اور ٹوکی کے ساتھ کیمپ تک پیدل آیا۔ عبدُل یہ سمجھ کر سونے کے لیے چلا گیا تھا کہ ٹوکی کہیں پڑ کر سو گیا ہوگا۔ کسی کو اُس کے کیمپ سے غیر حاضر ہونے کا عِلم نہ ہو سکا اور وہ دبے پاؤں واپس آکر الاؤ کے پاس لیٹ رہا۔

رات گئے ایک دم کالے کالے بادل چھا گئے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہوگیا۔ لڑکوں نے اُٹھ کر جلدی جلدی چیزیں سنبھالنی شرُوع کیں اور خیموں کے پردے گرا دیے ٹوکی نے بھی لڑکوں کا ہاتھ بٹایا اور پھر ٹرک کے پچھلے حِصّے میں گھُس کر آرام سے سُو گیا۔

گھنیرے بادلوں میں سے صبح کی سفیدی چھننے لگی تو ٹوکی آنکھیں ملتا ہُوا اُٹھا اور ٹرک پر سے چھلانگ لگا کر عبدُل کے پاس آیا۔ وہ پانی کے چھوٹے بڑے جوہڑوں

میں شٹراپ شٹراپ چلتا، گیلی لکڑیاں اکٹھی کرتے کرتے بڑبڑا رہا تھا۔ اتنے میں رشید اپنی برساتی ٹوپی کانوں تک کھینچے ہُوئے خیمے سے نکلا۔

"آج ہم لوگ شکار کے لیے نہیں جا سکتے۔" وہ سبھی سے کہہ رہا تھا۔ ٹوکی اُس کی آواز سُن کر ٹھٹکا مگر خاموشی سے اپنے کام میں لگا رہا۔ اُس کے دل کی اُلجھن خود بخود کم ہوگئی۔ آج ہی کے دن کے لیے سہی مگر بے چارے سمبا کو کچھ تو مُہلت مل گئی۔ یہ سوچ کر اُسے تسلّی ہوگئی۔

دن بھر ٹھنڈی ٹھنڈی پھُوار پڑتی رہی یہ سیرن گیتی کے میدانوں میں برسات کی آمد آمد کا اِعلان تھا۔ بھرپور برسات شرُوع ہونے سے چند ہفتے پہلے ایسی جھڑی ضرور لگتی تھی اور جب برسات کا موسم شرُوع ہو جائے تو اِس علاقے میں کسی ٹرک یا گاڑی کا چند قدم چلنا بھی ممکن نہ تھا۔

ٹوکی اِس بارش کا دوہرا لُطف لے رہا تھا۔ ایک تو سمبا کا خطرہ ایک دن کے لیے ٹل گیا، دُوسرے منظر بڑا سُہانا ہوگیا۔ ببُول کے گھنے درختوں پر بارش کی پھُوار پڑنے کی آواز بڑا پیارا راگ پیدا کرتی تھی۔

جوہڑوں میں رم جھم، گرتے ہُوئے قطرے لگاتار چھوٹے چھوٹے چکّر بنا رہے تھے۔ اور ٹوکی اپنے ہاتھوں پر اُن کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہُوئے اس خیال سے مُسکرا رہا تھا کہ یہ سمبا کے جلتے زخموں کو بھی ٹھنڈک پہنچا رہے ہوں گے اور وہ کم از کم چوبیس گھنٹے اور شکاریوں کے ہاتھ سے محفوظ تھا۔

ٹوکی نے دُوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر کیمپ کے الاؤ کے اُوپر چھپّر بنایا اور تھوڑی دیر بعد آگ بھڑک کر جلنے لگی۔ عبدُل نے چائے بنا کر سب کو دی۔ آگ کے قریب بیٹھ کر گرم گرم چائے پیتے ہُوئے وہ لوگ ہنس بول رہے تھے اور خوش تھے کہ آج آرام کرنے کا موقع مل گیا عبدُل نے پائک اور رشید کے لیے ناشتا تیار کرنا شروع کیا اور جب ٹوکی ناشتے کا ٹرے اُٹھائے پائک کے خیمے میں پہنچا تو رشید اور پائک شطرنج کھیلنے میں لگے تھے۔ پائک نے ٹوکی سے کوئی بات نہ کی۔ وہ ٹرے میز پر رکھ کر چلا آیا۔

سارا دن وہ دونوں شطرنج ہی کھیلتے رہے۔

سُورج ڈُوبنے سے کچھ دیر پہلے بادل چھٹ

گئے۔ دُھلا دُھلا نیلا آسمان، سبز سبز جنگل اور ہرے بھرے میدانوں پر جُھکا ہُوا بڑا پیارا لگ رہا تھا۔ بادل مغربی اُفق پر جمع ہو گئے تھے اور اُن میں سے نیلے گلابی، سبز اور سُنہرے چمکیلے رنگ پھُوٹ رہے تھے۔ مگر پانی سے بھرے ہُوئے اُودے اُودے بوجھل بادل ہوا کے زور سے دُور شمال مغربی اُفق پر جمع ہو گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہاں زوروں کی بارش ہو رہی ہے۔ ببُول کی چوٹیوں پر سُورج کی رنگین کرنیں جھلملا رہی تھیں۔ بے شمار جوہڑوں میں شفق کا رنگ اُتر آیا تھا جو ہرے ہرے میدان میں جگہ جگہ سُرخ سُرخ دھبّوں کی طرح جھلملاتا ہُوا بڑا ہی پیارا لگتا تھا۔

بارش تھمی تو دن بھر پناہ گاہوں میں دبکے ہُوئے جانور بھی باہر نکل آئے اور اپنے بھیگے ہوئے جسموں کو جھاڑ جھاڑ کر ہوا میں خُشک کرنے لگے۔ زیبروں کے ننھے ننھے بچّے بھی اپنے دھاری دار جسم کو ہوا میں خُشک کرنے کے لیے میدان میں قلانچیں بھر رہے تھے۔ ٹوکی دوڑا گیا اور رشید سے دُوربین مانگ لایا میدان کے اُس پار جنگل کے کنارے اُسے ایک بڑا

سا گینڈا نظر آیا۔ گینڈے کو دیکھ کر اُسے سمبا کی گینڈے کے ساتھ خوفناک لڑائی یاد آگئی اور پھر سمبا کا خیال آتے ہی پاٹک یاد آگیا جو سمبا کے شکار کے بجائے آج سارا دن چُپ چاپ بیٹھا شطرنج کھیلتا رہا تھا۔ اِس خیال پر وہ بے اِختیار مُسکرا دیا۔

پھر اس رات الاؤ کے کنارے کمبل میں لپٹا ہُوا ٹوکی، دیر تک آسمان پر جگمگ جگمگ کرتے ننھّے ننھّے تاروں کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ بارش سے بھیگے بھیگے آسمان کے اِس کالے میدان میں خبر نہیں کتنے شِکاریوں نے یہ چھوٹے چھوٹے الاؤ جلا رکھے ہیں۔ اور یہی سوچتے سوچتے خبر نہیں کس وقت وہ نیند کے پالنے میں ہلکورے کھانے لگا۔

Rashid Ashraf-zest70pk@gmail.com

سِمبا کی آزمائش

خُوب دُھوپ چمکنے پر بھی دلدلی میدانوں کو خُشک ہونے میں تین دن لگے۔ پائِک کے لیے اتنا لمبا اِنتظار مُشکل تھا۔ مگر مجبُوری تھی۔ اُسے صبر کرنا پڑا کیوں کہ یہ ضروری تھا کہ بارش کے بعد زمین اِتنی خُشک ہو جائے کہ گاڑیوں کا بوجھ برداشت کر سکے اور پہیے اس کے اندر دھنس نہ جائیں۔ ٹوکی لگاتار دُعا کرتا رہا کہ پائِک کے دل سے سِمبا کو مارنے کا خیال نکل جائے مگر جوں جوں وقت گزرتا پائِک کا جنوُن بڑھتا ہی جاتا۔ سوتے جاگتے، بیٹھتے اُٹھتے اس کے سر پر سِمبا کو مارنے کی دُھن سوار رہنے لگی۔

چوتھے دن روانگی تھی۔ وقت سے بُہت پہلے ساری تیاریاں مُکمل ہو گئیں۔ ناشتا کرنے کے بعد لڑکوں نے گاڑیوں کے گرد جمگھٹا بنا لیا۔ کھوجیے اپنی

اپنی بندُوقیں کندھوں پر سجائے تیار کھڑے تھے کہ پائِک خیمے سے نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے رشید گردن جُھکائے چلا آ رہا تھا۔ سب گاڑیوں میں سوار ہو گئے رشید کی شِکاری گاڑی سب سے آگے تھی جس میں دو کھوجیے اور ان کے درمیان ٹوکی پچھلی سیٹ پر بیٹھے پائِک رشید کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھا۔

میدان پار کرنے کے بعد رشید نے جو سارا وقت چُپ اور بُجھا بُجھا سا بیٹھا رہا تھا، پائِک کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر اب بھی وہ اُسی محفُوظ علاقے میں ہُوا جہاں شِکار کھیلنا منع ہے تو آپ اُسے مار نہیں سکیں گے۔"

یہ سُن کر پائِک کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور نتھنے مارے غُصّے کے پھڑکنے لگے۔

"میں آپ سے کتنی بار کہوں کہ میں اُسے ابھی اچھّی طرح دیکھنا چاہتا ہُوں۔ ہاں اگر وہ درندہ خطرناک حالت میں ہُوا تو اُسے ہر صُورت میں مارنا پڑے گا۔ چاہے وہ کسی جگہ ہو اب آیا آپ کی سمجھ میں؟"

رشید نے کچھ جواب نہ دیا مگر ٹوکی نے اُس کے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا کہ اُس کی بھنویں

تن گئی ہیں اور غُصّہ پینے کے لیے وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہا ہے۔ ٹوکی اپنے وعدے اور رحمانی کی ہدایت کے مُطابق اُسے راستہ بتاتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے۔ جوں جوں سفر ختم ہو رہا تھا ٹوکی کا دل ڈُوبتا جاتا تھا۔ وہ دُور دُور نگاہ دوڑا کر رحمانی کی جیپ کو تلاش کر رہا تھا۔ مگر میدان میں کہیں اُس کا نشان دکھائی نہ دیا۔ نہ اُن سے آگے گاڑی جانے کے کوئی تازہ نشان تھے۔ جب گاڑیاں ندی پار کرنے لگیں تو ٹوکی نے دُعا کی کہ اُن کے پہیّے چکنی مٹّی میں دھنس جائیں۔ مگر گاڑیاں بغیر کسی حادثے کے صحیح سلامت دُوسرے کنارے پر جا پہنچیں۔ ٹوکی پریشان سا نظر آنے لگا۔ وہ رہ رہ کر رحمانی کی جیپ کو دیکھنے کے لیے اردگرد نظریں دوڑاتا آخر اُس نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ رشید نے گاڑی کو بریک لگائے۔ سب نیچے اُتر پڑے اور اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگے۔ پائِک نے کڑی نگاہ سے ٹوکی کو گھورا اُس کا مطلب سمجھ کر ٹوکی نے ایک طرف اِشارہ کرتے ہُوئے بتایا:

"جی وہاں۔ ندی کے اُس کنارے پر، انجیر کے درخت کے نیچے، میں نے اُس دن سمبا کو بیٹھے ہُوئے دیکھا تھا۔"

پائِک نے جھٹ اُدھر دیکھا مگر سمبا اب وہاں نہیں تھا۔ پائِک کی بھنویں تن گئیں۔

"میں نے سچ بتایا ہے جناب، میں آپ سے وعدہ کر چکا ہُوں کہ۔۔۔۔۔"

"ہوں۔۔۔۔۔"

پائِک ندی کی طرف چلا۔ دوسرے لوگ اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔ جلدی ہی اُنھیں شیر کے پنجوں کے نشان مل گئے۔ یہ نشان زیادہ پُرانے نہیں تھے۔ اُنھوں نے اندازہ کیا کہ یہ زیادہ سے زیادہ کل رات کے نشان ہیں۔ اور سُفید بالوں والا یہ خوفناک شیر رات کسی وقت اِس جگہ سے گُزر کر گیا ہے۔ قریب ہی ایک جھاڑی کے پاس کسی جنگلی جانور کا ڈھانچا پڑا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ شیر نے خُوب پیٹ بھر کر کھایا ہے۔ گیلی مٹّی پر گیدڑوں اور بھیڑیوں کے پنجوں کے نشان بھی موجود تھے جو شیر کے بچے ہُوئے شکار پر دعوت اُڑانے آئے تھے مگر گاڑیوں کے شور سے ڈر کر قریب کی جھاڑیوں میں جا چُھپے تھے۔

ٹوکی نے دل ہی دل میں سوچا کہ رحمانی کسی اور راستے سے آکر سمبا کے لیے شکار چھوڑ گیا ہوگا۔

کئی گھنٹے تلاش جاری رہی۔ اُنھیں ایک بار اور میدان میں سے گزر کر دُوسرے کنارے کے جھنڈ کی طرف جانا پڑا۔ کھوجیے آگے آگے نشان دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ اُن کی ہُوشیار آنکھیں سمبا کے چھوڑے ہوئے چھوٹے سے چھوٹے نشان سے بھی نہیں چوکتی تھیں۔ اُنھوں نے بتایا کہ شیر بُہت آہستہ آہستہ چل کر گیا ہے۔ یا تو اِس لیے کہ وہ بُہت کھا گیا ہے یا اِس لیے کہ اِس کا زخم ابھی تک بھرا نہیں اور چلتے وقت اُسے تکلیف ہوتی ہے۔

سُورج خاصا اُونچا تھا اور دُھوپ تیز تھی۔ اب زمین اتنی خُشک ہو چکی تھی کہ کسی کسی جگہ پہیّوں سے گرد اُڑنے لگتی۔ موقع پا کر ٹوکی نے کسی سے دُوربین لی اور چاروں طرف نگاہ دوڑائی بُہت دُور اُسے رحمانی کی جیپ نظر آئی جو ایک گھنے جھنڈ کے نیچے کھڑی تھی۔ بے اختیار اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ پھیل گئی مگر اُس نے کسی سے کچھ نہ کہا

اتنے میں دُوسری طرف کی کھڑکی میں سے جھانکتے ہُوئے ایک آدمی نے ہلکی سی چیخ ماری اور رشید نے جھٹ بریک لگا دیے۔

"سمبا" ایک آدمی نے دبی ہوئی آواز میں کہا پائِک

نیچے کود پڑا۔ دُوربین اُس کے ہاتھ میں تھی اور بندُوق کندھے پر۔ اُس نے دُوربین سے اُس گھنے جھنڈ کی طرف دیکھا۔ اور پھر گاڑی میں آن بیٹھا۔

ایک بار پھر فضا میں انجنوں کی گڑگڑاہٹ گونجی اور یہ شکاری قافلہ اُس جھنڈ کی طرف چلا جہاں انھوں نے دُوربین سے سمبا کو دیکھا تھا۔

اُنھوں نے ایک چھوٹی سی پہاڑی کو درمیان میں رکھ کر دائرہ بنا لیا اور آگے بڑھنے لگے۔ اُنھوں نے ایسا راستہ ڈھونڈا تھا کہ وہ اچانک شیر کے قریب پہنچ جائیں اور وہ اُنھیں اپنی طرف آتے ہُوئے نہ دیکھ سکے۔ یکایک پائِک کی آنکھیں کسی خاص خیال سے چمک اُٹھیں اور اُس نے جھٹ نقشہ نکال کر کھولا وہ اسے دیکھنے ہی لگا تھا کہ کسی کے ہنسنے کی آواز نے اُسے چونکا دیا۔ وہ مُڑ کر دیکھنے لگا۔ رشید اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ آپ جانتے ہیں میں کیا دیکھنا چاہتا ہُوں؟" پائِک پُوچھنے لگا۔

"جی ہاں میں جانتا ہُوں۔ آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ درختوں کا یہ جھنڈ جہاں اس وقت سمبا موجود ہے

محفوظ علاقے کے اندر ہے یا باہر۔" رشید نے ہنس کر کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ یہی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں عرض کرتا ہوں کہ .... یہ جھنڈ عین اُس علاقے کی حد پر ہے۔"

"اُف۔" ٹوکی نے بے اختیار سر تھام لیا۔ اب تو رحمانی بھی سمبا کو نہیں بچا سکتا۔"

یہ لوگ کافی آگے بڑھ آئے تھے۔ اب رحمانی کی جیپ والا جھنڈ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ٹوکی سوچنے لگا کہ اسی لیے رحمانی نے دخل نہیں دیا کہ سمبا کو وہ بچا نہیں سکتا۔ مگر اُس کے دل میں ایک دم اُمید کی کرن پھوٹی جب پیچھے ایک دم جیپ کی آواز سنائی دی پائک غصّے سے تلملا کر پیچھے دیکھنے لگا۔ گاڑیاں رُک گئیں۔ اور سب لوگ اُتر پڑے۔ پہاڑی کے اس طرف چند گز کے فاصلے پر شیر موجود تھا اور اب انھیں دبے پاؤں چل کر ایسے زاویے پر پہنچنا تھا جہاں سے ایک دم حملہ کیا جا سکے۔

رحمانی بھی جیپ سے اُتر کر اُس طرف چلا آیا۔ ڈوبی وہیں بیٹھا رہا۔

"بھئی میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ تم سے بحث کروں۔" پائک نے غصّے سے کہا۔

میں جانتا ہوں۔ مگر میرا مطلب تھا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں قریب ہی موجود ہوں۔ اگر یہ شیر اتفاق سے اِس حد سے نکل جائے تو آپ کو اس پر گولی چلانے کا حق نہ ہوگا۔"

یہ کہہ کر رحمانی نے اس کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا اور تیزی سے واپس جیپ کی طرف چلا گیا۔ ٹوکی نے چاہا کہ گاڑی پر سے کود کر رحمانی سے جا ملے مگر رحمانی نے اُس کا ارادہ سمجھ لیا اور آنکھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔ اس کے بعد وہ جیپ میں بیٹھ کر تیزی سے محفوظ علاقے کی طرف بڑھ گیا۔

شکاریوں نے اپنا گھیرا کھلا کر لیا تاکہ شیر کے بچ کر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہے اور اس پر کسی محفوظ زاویے سے حملہ کیا جائے۔

"اِس جگہ سے شیر کے قریب پہنچنا چاہیے۔" رشید نے مشورہ دیا تو پائک اِنکار میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"جی نہیں۔ ہم ابھی اُس سے کافی دُور ہیں ہم گاڑیوں

ہی پر کچھ اور قریب جائیں گے۔"

سب لوگ گاڑیوں میں سوار ہو کر قدم قدم آگے بڑھنے لگے تاکہ انجن کے شور پر شیر چوکنا نہ ہو جائے رشید شکاری گاڑی میں بیٹھا ہُوا تھا اور گاڑی آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ سب لوگ پائک کے اِشارے کے مُنتظر تھے کہ وہ ٹھہرنے کا حُکم دے۔ مگر وہ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

ٹوکی پچھلی سیٹ پر پاؤں اُوپر رکھے دونوں گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے، پائک کو سامنے والے آئینے میں دیکھ رہا تھا۔ اُسے اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آئے۔ اُس کے سارے ساتھی حیران ہو کر ایک دُوسرے کا مُنہ تکنے لگے تھے کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔

گاڑیاں اِتنی قریب پہنچ چکی تھیں کہ سِمبا نے انجنوں کی آواز سُن لی ہوگی۔ وہ چوکنّا ہو گیا تھا، اُس نے سر اُوپر اُٹھا لیا تھا مگر وہیں کھڑا تھا جیسے اس بہادر شیر نے ابھی اِنسان سے ڈرنا نہ سیکھا ہو۔

وہ بڑے پُر وقار انداز سے گردن اُوپر اُٹھائے کسی بادشاہ کی طرح اُن چیزوں کو دیکھ رہا تھا جو رینگتی ہُوئی اُس کی طرف چلی آ رہی تھیں۔

"حیرت ہے۔ وہ گاڑیوں کو اتنا قریب دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے کیوں نہیں ہلتا؟" کھوجیوں میں سے ایک کہنے لگا۔

"اِس لیے کہ وہ ڈرتا نہیں ہے۔" ٹوکی ایک دم کہہ اُٹھا۔

کھوجیے نے اُس کی طرف یُوں گھُور کر دیکھا جیسے اُس کے بول اُٹھنے پر خفا ہو۔ آخر پائک نے ٹھہرنے کا اِشارہ کیا رشید نے بریک لگائے اور انجن بند کرنے ہی والا تھا کہ پائک نے منع کر دیا۔

"ٹھہرو۔ انجن بند نہ کرو۔ ممکن ہے ہمیں یہاں سے ایک دم روانہ ہونا پڑے۔"

یہ سُن کر رشید تو جیسے سُن ہو گیا۔ اُس کے چہرے سے غُصّہ ظاہر ہو رہا تھا۔ ٹوکی آنکھیں پھاڑے خوف زدہ سی صُورت بنائے یُوں پائک کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ پائک نے جو کچھ کہا تھا اُس کا صرف یہی مطلب نکلتا تھا کہ وہ شکار سے پہلے اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچ رہا تھا کیونکہ اُسے اپنے اُوپر پُورا اِعتماد نہ تھا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ اگر اس کا نشانہ خطا کر جائے اور جواب میں شیر حملہ کر دے

تو وہ ٹرک میں چڑھ کر فرار ہو سکے۔ افریقہ کے لوگ ایسے بُزدل شِکاری کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔

عام طور پر یُوں ہوتا تھا کہ موٹر کی آواز پر جانور نکل بھاگتا اور چھپنے کے لیے گھنے جنگل میں گھُس جاتا تو شِکاریوں کو اس کے پیچھے میلوں پا پیادہ چل کر جانا پڑتا اور پائِک تھا کہ شکار کا یہ انوکھا طریقہ بتا رہا تھا جس پر سارے شِکاری خفا ہو گئے۔ اُن کے چہرے پر ناراضی کے آثار دیکھ کر پائِک گھبرایا تو سہی مگر جھنجھلا کر بولا:

"عجیب لوگ ہو۔ تُم جانتے نہیں کہ یہ زخمی شیر ہے اور زخمی شیر تین گنا زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ اِس قسم کے جانور کے ساتھ ہم عام اصول اور عام طریقے اِستعمال نہیں کر سکتے۔ وہ تو آنکھ جھپکتے میں ہمارے سر پر آ پہنچے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی، صاحب۔ مگر یاد رکھیے اِس جگہ سے فائر کر کے آپ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں فرض کیجیے۔ وہ گولی کھا کر بھاگ کھڑا ہو تو پھر اُس کے قریب جانا موت کے مُنھ میں جانے کے برابر ہو گا۔" رشید نے کہا۔

"مگر میرا نشانہ خطا نہ ہو گا۔۔۔۔" پائِک غرّا کر کہنے لگا اور اُس نے اپنی سیٹ کے ساتھ سہارا لگا لیا۔

کھوجیوں میں سے ایک نے بھری ہُوئی بندوق اُس کے ہاتھ میں تھما دی مگر کسی نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ ٹوکی نے دہشت زدہ ہو کر پائِک کی طرف دیکھا جس نے بندُوق اپنے کندھے سے لگا لی تھی۔ اب ٹوکی نے پلٹ کر شیر کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے غور سے اُسی طرف دیکھ رہا تھا۔

انجنوں کی آواز کے سوا فضا میں ہر طرف سنّاٹا تھا۔ یکایک ایک خیال ٹوکی کے ذہن میں بجلی بن کر کوند گیا اور اُس کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا اُس نے لمحہ بھر میں فیصلہ کر لیا کہ اُسے یہ کام کرنا ہے وہ گاڑی سے کُود کر نیچے آ گیا۔ رشید نے جلدی سے مُڑ کر پیچھے دیکھا تو بھونچکا سا رہ گیا۔

"ٹوکی، ٹوکی۔ احمق چھوکرے۔ یہ کیا حرکت ہے؟ جلدی واپس جاؤ۔"

رشید نے گھُرکی دیتے ہُوئے کہا مگر ٹوکی نے تو جیسے اُس کی آواز سُنی تک نہ تھی۔ وہ قدم قدم چلتا سِمبا کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ہٹو سامنے سے۔ واپس آجاؤ۔ سُنتے ہو؟ ارے یہ کیا کر رہے ہو؟ تمھیں کچھ خبر بھی ہے؟" پائک غصّے سے تلملا رہا تھا۔

مگر ٹوکی نے ایک نہ سُنی اُس نے سمبا پر سے ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ نہ ہٹائی جو عجیب عجیب نظروں سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔

ٹوکی نے دیکھا کہ شیر کا پیٹ بہت بوجھل ہو رہا ہے اور یہ اچھی بات تھی۔ ٹوکی جانتا تھا کہ شیر کا پیٹ بھرا ہُوا ہو تو وہ کسی کی پروا نہیں کرتا اور جب تک کوئی تنگ نہ کرے اُسے ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ زخمی شیر کئی گُنا زیادہ غصیلا اور بدمزاج ہوتا ہے وہ ذرا سی آہٹ پر حملہ کر دیتا ہے۔

سفید ایال والا یہ خوبصورت شیر زخمی ہوتے ہوئے بھی نہایت پھرتی سے کھڑا ہو گیا اور چوکنا ہو کر ٹوکی کی طرف دیکھنے لگا۔ ٹوکی ایک لمحہ کے لیے ٹھٹک کر کھڑا ہُو گیا۔ اور دہشت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنے میں ببُول کے جُھنڈ کے اس پار میدان میں اُسے کچھ حرکت سی محسُوس ہوئی۔ غور سے دیکھا تو رجمانی کی جیپ لمبی گھاس کی اوٹ میں چلی آرہی تھی۔ اُسے دیکھ کر ٹوکی کو جیسے نیا حوصلہ مل گیا اور وہ پھر آگے بڑھنے لگا۔ اُسے معلوم تھا کہ

رحمانی نے اُسے دُوربین سے دیکھ لیا ہے۔ جب ہی تو وہ آرہا ہے۔ مگر وہ اِتنا آگے نہیں آئے گا کہ سمبا کو اُس کی آہٹ ہوشیار کر دے۔ پائک اور اُس کے ساتھیوں میں سے بھی اس خیال سے کسی نے لڑکے کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کی تھی کہ کہیں شیر چوکنّا ہو کر حملہ نہ کر دے۔

پھر ٹوکی نے دیکھا کہ شیر اُس پر نظریں جمائے دُم دبا رہا ہے۔ حملہ کرنے سے پہلے شیر ایسا کرتا ہے۔ ٹوکی کے جسم میں خوف سے تھرتھری چھوٹ گئی مگر اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اگر شیر کو حملہ کرنا ہی ہے تو اُس کے واپس پلٹتے ہی وہ اُس کے اُوپر آپڑے گا۔ اس نے سوچا اب جو ہو سو ہو، پیچھے ہٹنا بے کار ہے اور وہ آہستہ آہستہ آگے ہی بڑھتا گیا۔

ایک۔ دو۔ تین۔ چار قدم اور ٹوکی سمبا کے قریب پہنچ گیا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ بلکہ دُم ہلانے لگا۔ یہ اُس کے اچھے مُوڈ کی نشانی تھی۔ ٹوکی کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ سمبا اُس کے پیار کے جذبے کو سمجھتا ہے۔ وہ زور سے چیخا:

"ہُو۔ اوُ سمبا، میں ٹوکی ہُوں۔ تُم زخمی تھے تو میں

رحمانی صاحب کو تُمھاری مدد کے لئے بُلا کر لایا۔ اب تم میری مدد کرو۔۔۔۔ ہمیں مسٹر پائک پر یہ ثابت کرنا ہے کہ تم خطرناک شیر نہیں ہو۔ تمھیں اِن زخموں کی وجہ سے ہلاک کر دینا ضروری نہیں۔۔۔۔۔ سمجھے سمبا؟ ہو۔ او سمبا۔"

ٹوکی شیر کو مُخاطب کر کے کہتا اور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُسے اپنی آواز کانپتی ہُوئی سُنائی دی۔ پسینہ اُس کے ٹخنوں تک بہہ رہا تھا مگر وہ دُھن کا پکّا بہادر لڑکا آگے ہی بڑھتا گیا۔ اب فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا صِرف چند گز اُس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ آخر چھوٹا سا بچّہ ہی تو تھا۔ اُسے محسُوس ہو رہا تھا کہ وہ بیہوش ہونے لگا ہے اور وہ چاہتا تھا کہ بیہوش ہو جائے تاکہ اس تکلیف دہ حالت سے چھٹکارا مل جائے جو اُس پر گزر رہی تھی۔

مگر یکایک جیسے اُس کی جان میں جان آگئی خُوں خوار جانور ایک دم واپس مُڑا اُس نے اپنا جسم جُھکا لیا اور لمبی سی بھُوری لکیر ہری ہری گھاس کو چیرتی ہُوئی تیزی سے جنگل کی طرف دوڑتی نظر آنے لگی۔ ٹوکی وہیں ٹھہر گیا اور غور سے سمبا کو جاتے ہُوئے دیکھتا

رہا۔ گھاس کا قطعہ ختم ہُوا تو سمبا نے ہلکی رفتار سے دوڑنا شروع کیا۔ اور پھر چند ہی منٹ میں وہ گھنے جنگل میں غائب ہو گیا ٹوکی نے لمبا سانس کھینچا اور مُسکرا دیا سمبا محفوظ ہو گیا تھا۔ وہ محفوظ علاقے میں پہنچ گیا تھا۔"

ٹوکی خطرے سے باہر تو ہو گیا مگر خطرے کا صحیح اندازہ اُسے اب ہُوا۔ اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

اچانک کئی سو گز کے فاصلے سے اُسے خوشی کا نعرہ سُنائی دیا اور آوازوں کی بھنبھناہٹ سی آئی اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پلٹ کر اُس طرف دیکھنے لگا جس طرف سے جیپ آ رہی تھی دُوسری طرف سے رشید اپنی شکاری گاڑی لیے آ رہا تھا۔ مگر ٹوکی کی نگاہیں ایک بار پھر جنگل کی طرف اُٹھ گئیں۔ ایک جگہ تیز دُھوپ چھوٹے سے قطعے کو روشن کر رہی تھی۔ اور دُھوپ کی شعاعوں میں کوئی چیز چاندی کی طرح چمک رہی تھی یہ سمبا کی ایال تھی۔ اور پھر اُس نے مُڑ کر ایک لمحے کے لیے اِس طرف دیکھا جیسے اِن سب کو 'الوداع' کہہ رہا ہو۔ اس کے بعد وہ اپنے راستے پر ہو لیا اور سبک رفتار سے دوڑتا ہُوا جنگل کی تاریکیوں میں گھل مل کر نظروں سے اوجھل ہو گیا رحمانی نے کچھ فاصلے پر جیپ روک لی اور دوڑتا

ہُوا ٹوکی کے قریب پہنچا۔ رشید اور پائک کے ساتھیوں میں سے کئی ایک اور شکاری بھی آ پہنچے مگر ٹوکی کو اُن کے آنے کا احساس نہ ہُوا۔ اُس کے جسم میں سنسناہٹ تھی، ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ رحمانی نے اُسے سہارا دے کر آگے بڑھایا تو وہ چُپ چاپ چلنے لگا۔

"خُونخوار جانور پر ہرگز ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیے... بے وقوف لڑکے، تم نے تو مجھے اتنا دہشت زدہ کر دیا کہ میں اپنے بُوٹوں تک ٹھنڈے پسینے میں نہا گیا۔"

رحمانی کی آواز جیسے کہیں دُور سے ٹوکی کو سنائی دے رہی تھی۔

"مُجھے..... مم..... مُجھے..... ایسا کرنا پڑا جناب کیونکہ پائک صاحب کہتے تھے کہ.... سمبا خطرناک ہے اِس لیے اُسے مار دینا چاہیئے۔ مجھے اُن پر ثابت کرنا تھا کہ سمبا خطرناک نہیں ہے۔ اُسے نہیں مارا جائے گا۔ ٹوکی نے کانپتی ہُوئی آواز میں کہا۔

پائک اپنی گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ اور اس کا چہرہ مارے غصّے کے تپے ہُوئے تانبے کی طرح کالا ہو رہا تھا۔ جب یہ لوگ قریب پہنچے تو وہ چنگھاڑ کر بولا:

"ایسی بات کہیں دیکھی نہ سُنی۔ میں محکمے کے افسروں سے شکایت کروں گا۔ میں تمھاری زبردست رپورٹ کروں گا۔"

رحمانی جیسے تُلے قدم اُٹھاتا اُس کے سامنے جا کھڑا ہُوا اور بڑے چبھتے ہُوئے انداز میں بولا:

"کس بات کی رپورٹ کریں گے آپ محکمے کے افسروں سے؟ کیا یہ رپورٹ کریں گے کہ ٹانگانیکا کے سب سے بڑے سمبا نے ایک چھوٹے سے لڑکے پر حملہ نہ کیا جو اُس سے صِرف دس قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا؟ یہی نا...؟"

Rashid Ashraf-zest70pk@gmail.com

سمبا کی گرج

واپس پہنچتے ہی پائک نے حُکم دیا کہ اگلے روز صبح ہی شکاری قافلہ آگے جانے کا پروگرام منسُوخ کر کے واپس روانہ ہوگا۔ اُس دن ٹونی شام تک بہت مصرُوف رہا۔ اُس نے دوپہر کو کیمپ کے لوگوں کے کپڑے دھوئے پھر پائک اور رشید کے کپڑوں پر استری کی وہ چُپ چاپ اپنے کام میں مصرُوف تھا اور اِس خیال سے اُسے خوشی ہو رہی تھی کہ سمبا کی جان بچ گئی۔ اب وہ ہر خطرے سے محفُوظ ہے۔

اُس کے ساتھی لڑکوں نے طرح طرح کے سوال کر کے اس کا دماغ کھا لیا تھا۔

"وہ بار بار پُوچھتے کیا تمھیں یہ خوف نہیں تھا کہ سمبا تمھیں پھاڑ کھائے گا؟"

"کیوں؟ وہ بھُوکا نہیں تھا کہ مجھے پھاڑ کھاتا۔ اور

نہ وہ مجھ سے ڈرتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میں اُسے نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" ٹوکی بڑی دلیری سے جواب دیتا۔ اب اُسے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ درندے صرف خوراک حاصل کرنے کے لیے شکار کرتے ہیں۔ بلاوجہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ وہ ایسے انسانوں سے تو بدرجہا بہتر ہیں جو صرف اپنی تفریح کے لیے اُنھیں ستاتے اور مارتے ہیں۔

جب رحمانی کیمپ میں آیا تو شام ہونے کو تھی وہ جیپ سے کُودتے ہی ٹوکی سے کہنے لگا۔

"میں نے سُنا ہے کل تم لوگ واپس جا رہے ہو؟ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں ٹوکی۔ میں چاہتا ہُوں کہ چند سال بعد تم میرے پاس آجاؤ۔ مجھے رسیرن گیتی کی نگرانی کے لیے تمھارے جیسے بہادر سکاؤٹ کی ضرورت ہے۔ میں مسٹر پائک سے اجازت لے کر تمھیں اپنے ساتھ لے جانے کو آیا ہُوں۔ شام کا کھانا تم میرے اور ڈوبی کے ساتھ کھاؤ گے اور پھر رات کو باتیں ہوں گی۔ پھر میں تمھیں کیمپ میں چھوڑ جاؤں گا۔"

رحمانی پائک کے خیمے میں گیا تو ٹوکی نے جلدی

جلدی کام ختم کر لیا اور تیار ہو کر رحمانی کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے ایک دم نیادا کے نیزے کا خیال آیا جو اس نے ٹرک میں سنبھال کر رکھا ہُوا تھا۔ اور ساتھ ہی نیادا کا بھی خیال آگیا۔ کتنا اچھا دوست تھا وہ۔ ٹوکی نے چاہا کہ اُس سے ایک بار اور ملے اور سب کچھ بتائے۔ وہ لوگ سمبا کے متعلق بہت فکر مند ہوں گے۔ جب وہ رحمانی کے ساتھ اُس کے کیمپ کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں اُس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ مسائی قبیلے کا رحمانی کے کیمپ سے بمشکل آدھے گھنٹے کا سفر تھا۔ اُس نے وہیں سے گاڑی کو اُس راستے پر پھیر لیا جو اُس طرف جاتا تھا۔

نیادا انھیں دیکھتے ہی اُونچے ڈھلوان راستے پر دوڑا دوڑا اُن کے پاس آیا۔ اور جب اُسے معلوم ہُوا کہ سمبا محفوظ ہے تو خوشی کے مارے اُس کا چہرہ سُرخ ہوگیا، آنکھیں چمک اُٹھیں۔ یہ خبر سارے مسائی قبیلے میں پھیل گئی۔ عورتیں، بچے، بڑے چھوٹے سب اُن کے گرد جمع ہو گئے اور سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھنے لگے۔ رحمانی مسائی زبان اچھی طرح جانتا تھا اُس نے سب کو پوری کہانی سُنائی قبیلے کے بڑے بوڑھوں کا گروہ بھی اِس بھیڑ میں موجود تھا ان

میں جو سب سے بڑا اور عزت دار تھا وہ دونوں ہاتھ
پھیلائے بڑے پیار سے ٹوکی کی طرف بڑھا۔ اس کا
سُرخی مائل بھورا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا اور اُس کی
آنکھوں سے شکر گزاری ٹپکی پڑتی تھی۔ اِس چھوٹے سے
لڑکے نے اپنی دلیری اور بہادری سے انھیں بہت بڑی
آفت سے بچا لیا تھا۔ وہ سب اُس کے شکر گزار تھے۔ بوڑھا
اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔ ٹوکی اُس کی بات سمجھ نہیں
سکتا تھا۔ لیکن مسکرا مُسکرا کر سر ہلا رہا تھا۔

رحمانی نے نیادا سے کہا کہ وہ بھی اس کے ساتھ
کیمپ تک چلے۔ وہ خوشی سے مان گیا۔ اُسے پہلے کبھی کار
میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ہچکولے لگنے سے جب
وہ سیٹ پر اُچھلتا تو خوش ہو کر بچوں کی طرح ہنستا۔
اور کار کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہُوئے زیبروں اور
ہرنوں کے ریوڑوں کو ہٹانے کے لیے عجیب عجیب آوازیں
نکالتا تھا۔

اُنھوں نے کیمپ کے الاؤ کے گرد بیٹھ کر بڑے
مزے کا کھانا کھایا۔ یہ کھانا نیادا کے واسطے ایک عجوبے
سے کم نہ تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حیران ہو کر سب
کچھ دیکھ رہا تھا اور جب وہ کھانے لگے تو اُن کی نقل میں

خود بھی کھانے لگا۔

کھانے کے بعد وہ الاؤ کے پاس بیٹھ گئے اور اِدھر
اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ مگر وہ زیادہ تر سمبا ہی کی
باتیں کرتے رہے۔ رہ رہ کر ٹوکی کی مُہم کا ذکر آجاتا
اور ہر بار اس کہانی میں نیا لُطف آتا۔ رحمانی نے نیادا
سے ٹوکی کے بارے میں یہ بھی ذکر کیا کہ وہ اُسے
تھوڑے عرصے کے بعد محکمے میں مُلازمت دلوا کر
سکاؤٹ بنانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ سُن کر نیادا
اِس قدر خوش ہُوا کہ ٹوکی سے وعدہ کر لیا کہ جب وہ
اس علاقے کا سکاؤٹ بنے گا تو وہ خود اُسے مسائی
زبان سکھائے گا کیونکہ اس جگہ رہتے ہُوئے اُسے مسائی
قبیلوں سے واسطہ پڑے گا اس لیے اُن کی زبان جاننا
ضروری ہوگا۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ اندھیرا گہرا ہو گیا۔ سُرمئی
پہاڑیوں کے پیچھے سے پہلی تاریخ کے چاند کی باریک
سی کمان شفق کی مٹی مٹی سی سُرخی کے درمیان ڈُوبتی
ہُوئی نظر آئی۔ لکڑیاں کوئلے بن گئی تھیں اور اب موٹے
موٹے کوئلے چٹخ کر ٹوٹ رہے تھے۔ زیبروں کے
ریوڑ شام کے گہرے جھٹپٹے میں دوڑ لگاتے

Rashid Ashraf

Rashid Ashraf
zest70pk@gmail.com
www.wadi-e-urdu.com

ہُوئے میدان میں کبھی اِدھر جاتے کبھی اُدھر۔ آخر شام ڈھلے رحمانی نیادا کو اُس کے "بوما" میں واپس پہنچانے اور ٹوکی کو اس کے کیمپ میں چھوڑنے چلا۔

وہ جیپ میں بیٹھنے ہی لگے تھے کہ ڈوبی نے اُنھیں چُپ ہو جانے کا اشارہ کیا اور دُور جنگل کی طرف کسی آواز پر کان لگا دیے۔ چاروں چُپ چاپ کھڑے ہو گئے اور بڑے غور سے سُننے لگے۔ دُور بہت دُور، کسی شیر کے دہاڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ ٹوکی نے الاؤ کی "سُرخ روشنی میں دیکھا کہ نوجوان مسائی سپاہی کے چہرے پر عجیب قسم کی مُسکراہٹ کھیل رہی ہے۔

"یہ بڑی مُبارک بات ہے۔ مسائی لوگ کہتے ہیں کہ جب سفید ایال والا سمبا چاند کی پہلی تاریخ کو دہاڑے تو میدان ہری بھری گھاس سے پٹ جاتے ہیں۔ جانور پیٹ بھر کر چارا کھاتے ہیں۔ دریاؤں میں سفید پانی بھر جاتا ہے۔ جنگلوں میں بسنے والے کیا آدمی کیا جانور سب خوش حال ہو جاتے ہیں۔" نیادا انھیں بتا رہا تھا۔

Alam Pahungir

ناول

۱۰ سے ۱۴ سال تک کے بچّوں کے لیے

افریقہ کے جنگلوں میں
بھیانک غار
سونے کا بُت
چار دوستوں کا حیرت انگیز سفر
ایک سپاہی کی کہانی
موت کی شعاع
نیلی روشنی کا راز
ان دیکھی دُنیا
تارس بلبا
ہولناک سازش
جابر خاں
حاتم طائی کے کارنامے
ناگ کا نشان
ہیروں کے چور
کیا وہ چور تھا
پیامبو کی تلوار
چھ بُرے لڑکے
اُونچی حویلی کا راز
شہزادی انجمن آرا
دُنیا کا سفر
پُراسرار آبدوز
نرگس
اندھیرا غار
خون کی ہولی

چاندی کے چور
دو یتیم
شاہین اور دشمن درندے
قیدی
مریخ کا حملہ
شاہین اور زمرد کے چور
بونے اور دیو
گرہ کٹ
ہاتھی دانت کے چور
دولت پور میں
قزاقوں کی وادی
سونے کی وادی
ننھے سُراغ رساں
وہ کیا راز تھا
بھوت بنگلا
غیبی انسان
میرا نام منگو ہے
عالی پر کیا گزری
سلیم کی آپ بیتی
محمود پر کیا بیتی
گوریلا
خزانے کا راز
پانچ لاکھ
سُندر بن کا خزانہ

چھنگو میاں کے کارنامے
شاہین کی واپسی
ویران محل
دُشمن کی سازش
نیلا طوطا
سرکس کا ہاتھی
سلیمانی خزانہ
چاند پر پہلا آدمی
زندہ لاشیں
کالا جزیرہ
نُورا
منحوس قلعہ
کالا ناگ
چمائی کا مندر
رابن سن کروسو
ایک ٹانگ کا آدمی
دلاور
کلیم کے کارنامے
طوفانی جزیرہ

فیروز سنز
لاہور ـ راولپنڈی ـ کراچی